ماہ نامہ

نقوشِ راہ

March 2022

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

مسلم دشمنی کی بھڑکتی آگ
اور
حجاب کا تنازعہ

- ★ ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے۔
- ★ ملت کا تحفظ اور اسلامی تعلیمات۔
- ★ حجاب سے دشمنی کیوں؟
- ★ مسلمانوں کی بقاو سلامتی کی دو بنیادیں، دین اور مزاحمت۔

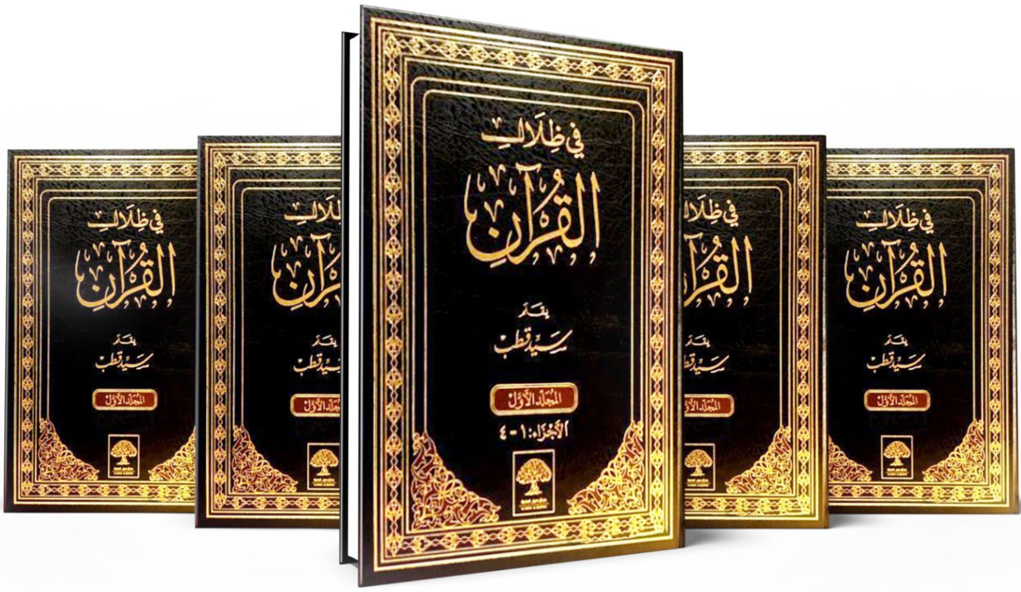

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر
کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9599693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوشِ راہ

Islamic Youth Federation

مارچ 2022ء، رجب المرجب/شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ | جلد: 05 شمارہ: 03 | اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	محمد اسد فلاحی	05
درسِ حدیث	اسامہ احسن	07
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے	اسامہ عظیم فلاحی	09
ملّت کا تحفظ اور اسلامی تعلیمات	ابوغزوان فلاحی	13
حجاب سے دشمنی کیوں؟	ڈاکٹر قدسیہ بنت نصیر	20
مسلم دشمنی کی بھڑکتی آگ اور حجاب کا تنازع	ڈاکٹر سلیم خان	22
مسلمانوں کی بقا و سلامتی کی دو بنیادیں.....	شاہنواز فاروقی	25
رمضان کی آمد......مرحبا!	احمد اسامہ جعفری	29
گوشۂ خواتین: قیمتی ہار!!!!! اس کی حفاظت کیجیے	سمیہ بنت عامر خان	33
بک ریویو: کارکن اور قیادت سے تحریک کے تقاضے	ابوالفیض اعظمی	37
گوشۂ اطفال: کھیل کود اور صحت	مرزا اسلم بیگ	40
اقبالیات: طلوعِ اسلام	شیر خالد	41
کرناٹک حجاب معاملہ کی گراؤنڈ رپورٹ		42

چیف ایڈیٹر
معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر
اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت
- پرویز نادر
- فیض الرحمٰن
- صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر
پرویز نادر

زرِ تعاون

فی شمارہ: -/20

سالانہ: -/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press,
Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

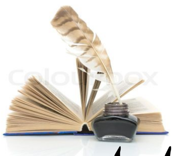

اداریہ

حیا انسان کی فطرت ہے۔ حیا باختہ مزاج فطرت سے بغاوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام، جو ایک دین فطرت ہے، نے حیا کو ایک اہم مقام دیا ہے۔ شارح دین نبیؐ کا ایک اہم قول اس کی وضاحت کرتا ہے کہ ”حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔“ (بخاری) اسلام مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی توقیر اور تکریم کا ضامن ہے۔ اسلام نے انسانی سماج کو فکر و عمل، اخلاق و کردار اور وضع قطع کا جو مستقل اور محکم نظام دیا ہے، حیا، عفت و پاک دامنی اس نظام کی اہم شناخت ہے۔ وہیں تہذیب حاضر اور اس کے تمام حاملین حقوق نسواں اور آزادی نسواں کے نام پر ایک ایسا سماج تشکیل دینے میں کامیاب ہو چکے ہیں جہاں حیا نام کی چڑیا کا کوئی گزر نہیں ہے۔ یہ سماج عورت کو اس کا فطری مقام دینے سے معذور نظر آتا ہے۔ یہ سماج عورت کو لذت حاصل کرنے والی اشیاء سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔ ایسے سماج میں عورت مرد کی تسکین اور خوشنودی کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا کر بھی راندۂ درگاہ ہی سمجھی جاتی ہے۔ جدیدیت کے دلدادہ عورت کو عریاں کرنے کے لیے کیسے ہی دلکش نعروں کا استعمال کریں یہ اصلاً ننگے پن اور فحاشی کے شیطانی ایجینڈے پر کار بند ہیں۔ چنانچہ قرآن نے شیطان کے متعلق اہل ایمان کو تنبیہ کی ہے کہ ”شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہیں بدی، فحاشی و بے حیائے کا حکم دیتا ہے۔“ (البقرہ) تاریخ شاہد ہے کہ معاشرہ جب بھی اسلامی قدروں کا امین رہا ہے عورت نے نہ صرف اپنا وقار حاصل کیا بلکہ کسی بھی اسلام دشمن نے اگر حیا کی چادر کھینچنے کی کوشش کی ہے تو اس کو منہ کی کھانی پڑی۔

کرناٹک کے اڈپی سے شروع ہونے والی حیا اور بے حجابی کی اس جنگ نے عالمی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ معاملہ شروع تب ہوا جب اسکول جانے والی کچھ بچیوں نے اسکول انتظامیہ کی ہدایت کے برخلاف حجاب نہ اتارنے کا عزم مصمم کر لیا۔ نتیجتاً ان کو کلاس میں بیٹھنے سے روک دیا گیا۔ معاملہ کو سمجھداری سے حل کرنے کے بجائے حکم رانوں نے اس کو اپنے لئے ایک موقع سمجھ کر طول دے دیا اور آن کی آن میں کرناٹک کے مختلف علاقوں میں بھگوا اوڑھنیاں پہنے طلبہ و طالبات مظاہرہ کرتے نظر آنے لگے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر اسکول میں طالبات حجاب پہن کر آنے کے لیے آزاد ہیں تو وہ بھی بھگوا اوڑھنیاں پہنیں گے۔ اسی اثنا میں دیے گئے کرناٹک وزیر تعلیم کے ایک بیان کا سہارہ لیتے ہوئے کچھ تعلیمی اداروں نے برقعہ پوش طالبات کو گیٹ پر یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ آپ کو اسکول یونیفارم کے ساتھ ہی داخلہ کی اجازت ہے۔ احتجاجی جلسوں اور نعروں کے بعد معاملہ جب عدالت میں پہنچا تو اس نے بھی وقتی طور پر حجاب پہننے کو ممنوع قرار دے دیا۔ باطل کے مزاج، منشاء اور عزائم کے واقف کار جانتے ہیں کہ یہ اس کی کوئی انوکھی روش نہیں ہے۔ حکمراں اور عدلیہ سے لے کر تمام ادارے اسی مقصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ ہزار سالوں پر محیط اسلامی روایات کے وارث ملک بھارت میں اسلامی اقدار کی امین برقعہ پوش خاتون کوئی نایاب چیز نہیں ہے۔ مسلمانوں نے بھارت کو جو عطیے دیے ہیں اس میں حیا کی وہ چادر بھی ہے جو آج بھی کہیں کہیں ہندو معاشرہ میں عورتوں کی محافظ کے طور پر نظر آتی ہے۔ ورنہ اسلام سے قبل ہندو عورتیں کہیں جوئے میں جیتی ہاری جاتی تھیں یا کہیں شوہروں کی چتاؤں کے ساتھ ’ستی‘ کر دی جاتی تھیں۔ بس اتنا سا مقام تھا ان کا معاشرہ میں۔ چہرہ ڈھکنے کا حق تو دور بعض مقامات پر تو ان کو سینہ ڈھاکنے کا حق بھی نہ تھا۔ مذہب نے مردوں کو یہ حق دے رکھا تھا کہ وہ عورتوں کو ڈھول کی طرح پیٹ سکتے ہیں۔ اسلام کے احسانات پر تشکر کے الفاظ ادا کرنے کے بجائے ہندو جذبات کا نمائندہ سنگھ اور اس کے حواری مسلمان عورت کو تعلیم کے نام پر تہذیب سے عاری کرنا چاہتے ہیں۔ سنگھ کے عزائم کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اسلامی تہذیب، اسلامی تعلیم اور اسلامی تاریخ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹنے کی بھرپور تیاری کر چکا ہے۔ سوریہ نمسکار اور یوگا کے ذریعہ مشرکانہ عقیدہ تھوپنے کا عمل ہو، نصابی کتب کی ترمیم اور مسلم اداروں میں سنگھیوں کی بھرتی کے ذریعہ تعلیم کا بھگوا کرن ہو یا پھر تین طلاق پر پابندی اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش، سنگھ کی اقتدا میں بھارت کا ہر بڑھتا ہوا قدم بتا رہا ہے کہ اس کی منزل ہندو راشٹرا اب زیادہ دور نہیں ہے۔ اور وہ جلد ہی مذہبی آزادی اور جمہوری روایات کا مکھوٹا بھی اپنے چہرے سے اتار پھینکے گا۔ ہم کو معلوم ہے کہ میثاق مدینہ کے پابند یہودیوں نے بھی ایک مسلم خاتون کی چادر کھینچ کر اس کو ننگا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن حمیت اسلامی کے حامل ایک شخص نے اس فتنہ پرور کو قتل کر کے اسلامی شعار پردہ کی لاج رکھ لی تھی۔ یہ چھوٹا سا واقعہ تاریخ میں اہم مقام اس وقت حاصل کر گیا جب مسلمانوں نے یہود کی اس اوچھی حرکت پر ان کا مواخذہ کیا اور ان کو مدینہ سے نکال باہر کیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کے پردہ کا مذاق اڑانا یا اس سے چھیڑ چھاڑ مسلمانوں نے کبھی برداشت نہیں کیا۔ حالیہ واقعہ میں بھی جس انداز سے کرناٹک کے غیور لوگوں نے اس مسئلہ کو انگیز کیا وہ قابل داد ہے۔ خاص طور سے وہ واقعہ تو اہم مقام حاصل کر گیا جب ہماری ایک باحجاب بہن نے سنگھیوں کے ٹولے کے سامنے تکبیر کی صدائیں بلند کر کے اسلامی غیرت کا برملا اظہار کیا۔ تقریباً تمام سوچنے سمجھنے والے حلقوں کی جانب سے اس کے اس فعل کو داد تحسین سے نوازا گیا۔

ہم کو بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حجاب ہماری تہذیب و ثقافت ہے، ہماری روایت ہے اور ہمارا وقار ہے۔ حجاب حیا ہے اور حیا ایمان۔ ایک بندۂ مومن اپنی جان و مال کی قربانی خوشی خوشی دے سکتا ہے۔ لیکن ایمان اس کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس سے دست برداری کا سوچ نہیں سکتا۔ فحاشی اور عریانیت کے علم بردار اس بات کو غور سے سن لیں کہ اگر انہوں نے اس اسلامی شعار کو مٹانے کی کوشش کی تو غیرت مسلم پھر سے ایک نئی تاریخ رقم کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ۔

(معاذ احمد جاوید)

درسِ قرآن

محمد اسد فلاحی

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرَىٰ ۔ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ۔ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ۔ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۔ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۔ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (النازعات : ۳۴-۴۱)

ترجمہ: ”پھر جب وہ ہنگامہ عظیم برپا ہوگا جس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا اور ہر دیکھنے والے کے سامنے دوزخ کھول کر رکھ دی جائے گی، تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگی اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔“

زمانۂ نزول:

یہ سورہ مکی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ سورۃ النبا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

مرکزی موضوع:

اس سورہ کا موضوع قیامت کا واقع ہونا اور عمل کے لیے جزا و سزا کے لیے انسان کا دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔ اس کا پس منظر خاص طور سے وہ نافرمان اور فرعون صفت لوگ ہیں جو اپنی دنیا بنانے کے چکر میں نہ صرف بالکل مدہوش رہتے ہیں بلکہ اہلِ ایمان کے دشمن بھی بنے رہتے ہیں۔

آیات ۳۴ تا ۴۱ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب آخرت برپا ہوگی تو انسان کے دائمی اور ابدی مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس نے دنیا میں حد بندگی سے تجاوز کر کے اپنے خدا سے سرکشی کی اور دنیا ہی کے فائدے اور لذتوں کو اپنا مقصد بنا لیا اور کس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کی ناجائز خواہشات کو پورا کرنے سے احتراز کیا۔ آیت ۳۴ میں قیامت کی ہولناکی اور جزاء و سزا کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ قیامت کا دن بڑا ہی ہولناک اور بڑے ہنگامے والا دن ہوگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ بیان ہوا ہے ”والساعة ادھی و امرّ“ یعنی قیامت بڑی ہی سخت اور ناگوار چیز ہے۔ اس دن انسان اپنے برے بھلے اعمال کو یاد کرے گا اور کافی نصیحت حاصل کرے گا یعنی جب انسان دیکھ لے گا کہ حساب وکتاب کا دن آگیا ہے تو اس کا نامہ اعمال دییے جانے سے پہلے ہی اس کو سب کچھ یاد آنے لگے گا یعنی لوگوں کو یہ مشاہدہ خود اس دنیا میں بھی ہو جاتا ہے کہ جب وہ کسی خطرے سے دوچار ہوتا ہے تو موت اس کو بالکل قریب نظر آنے لگتی ہے اور زندگی کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔

یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ اصل فیصلہ آخرت میں کس چیز پر ہونا ہے۔ دنیا میں زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان حدّ بندگی سے آگے بڑھ کر خدا کے مقابلے میں نافرمانی کرے اور یہ سوچ لے کہ اسی دنیا کے فوائد ولذات اس کا مقصود ہے چاہے وہ کسی بھی طریقے سے حاصل ہو، اس میں حرام وحلال کی تمیز نہیں کرنی ہے۔ دنیا میں زندگی گزارنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان کو یہ احساس ہو کہ ایک دن اپنے رب کے

سامنے کھڑا ہونا ہے۔اگر نفس کی بری خواہشات کو پورا کرنے یا نفس کی بندگی کرکے ناجائز فوائد و لذات حاصل کر بھی لے تو اپنے رب کو کیا جواب دے گا؟ تو آخرت میں فیصلہ اس بات پر ہوگا کہ جس نے دنیا کی چند روزہ زندگی کو ترجیح دی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و سرکشی میں گزاردی ہوگی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگی۔

انسان دنیا کی حقیر چیزوں پر اس وقت فدا ہوتا ہے جب کہ اس کے اندر آخرت کی فکر و جوابدہی کا احساس نہیں ہوتا اور وہ سرکشی وطغیانی کی ہر حد پار کردیتا ہے اور آخر کار اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔اس کے بالمقابل جو شخص دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہے یعنی وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے اور جوابدہی کا احساس رکھتا ہے،نفس کو بری خواہشات ولذات سے اپنے آپ کو روکتا ہے،کسی بھی معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا ہے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہوگی۔جب انسان کو اپنے رب کے سامنے جوابدہی کا احساس رہتا ہے تو کبھی بھی معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا اور بالفرض کبھی کسی وجہ سے اس سے کوئی غلطی سرزد ہوجاتی ہے تو اللہ کا ڈر اسے ندامت اور استغفار پر مجبور کردیتا ہے اور وہ توبہ کرکے دوبارہ اطاعت کے دائرے میں داخل ہوجاتا ہے۔

نفس کو بری خواہشات ولذات سے باز رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اطاعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے کیونکہ بری خواہشات و لذات انسان کو نافرمانی وسرکشی کی طرف مائل کردیتی ہیں اور شیطان اسی راستے سے حملہ آور ہوتا ہے۔ بری خواہشات ولذات کا مقابلہ صرف خشیت الٰہی سے ہی کیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ کسی اور چیز سے اس کا مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا ہے کہ اس کے اندر خواہشات نہ ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نفس کو روکو اس کو اپنے قابو میں رکھو،خواہشات کو دبا کر رکھو اور اس معاملے میں مدد اللہ کے خوف سے حاصل کرو۔اگر خواہشات پر قابو پالوگے تو اس کے بدلے میں جنت ملے گی کیونکہ نفس کو قابو میں رکھنا ایک طرح سے جہاد ہے ویسے تو اصل جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا جام پینا ہے۔

انسان اس وقت انسان ہوگا جب نفس کے خلاف جدو جہد کرے اور اس طرح اپنے آپ کو نیچے سے اوپر کی طرف اٹھائے۔انسان اس طرح سے انسان نہیں بنتا کہ نفس کی خواہشات پر عمل کرے اور اس کی پیروی کرے اور دلیل یہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیز فطرت میں ڈالی ہے، بلکہ جس خدا نے انسان کے اندر یہ خواہشات ڈال رکھی ہے اسی نے انسان کو یہ طاقت بھی دی ہے کہ اس کو لگام دے۔لہٰذا جس انسان نے نفس کی خواہشات سے آزادی حاصل کرکے اللہ کی بندگی و اطاعت میں زندگی گزاردی تو اس کے لیے جنت ہے اور جس نے نفس کی خواہشات کے مطابق چند روزہ زندگی میں لذات حاصل کرنا اپنا مقصود بنالیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور روز محشر دنیا کی زندگی پر افسوس کرے گا لیکن وہ افسوس کسی کام نہ آئے گا۔

یہ دنیا چند روزہ ہے،ایک دن ختم ہوجانے والی ہے۔اہل ایمان کے لیے یہ دنیا کھیتی کی مانند ہے لیکن اس کی فصل آخرت ہے۔اہلِ ایمان دنیا میں ایک خصوصی مشن کے حامل ہوتے ہیں اور اس مشن کے سلسلے میں آخرت میں جواب دہ ہونا پڑے گا،اس مشن کی ادائیگی کا انحصار دنیا کی حقیقت سمجھنے پر ہے۔دنیا کا حصول اور اس مشن کی ادائیگی بیک وقت ممکن نہیں۔اس اعتبار سے ہمیں اپنی ترجیحات کا تعین کرنا ہوگا

●●●

فارم نمبر چار (4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ
مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

درس حدیث
اسامہ احسن

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَنْ عُمَرَ قَالَ ، نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِلٰی مُصْعَبِ بْنِ عُمَیْرٍ مُقْبِلاً عَلَیْہِ اِھَابُ کَبْشٍ قَدْ تَنَطَّقَ بِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اُنْظُرُوْا اِلٰی ھٰذَا الَّذِیْ نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ، لَقَدْ رَاَیْتُہٗ بَیْنَ اَبَوَیْنِ یَغْذُوَانِہٖ بِاَطْیَبِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَ لَقَدْ رَأَیْتُ عَلَیْہِ حُلَّۃً شَرَأَھَا اَوْ شُرِیَتْ بِمِأَتَیْ دِرْھَمٍ ، حُبُّ اللّٰہِ و حُبُّ رَسُوْلِہٖ اِلٰی مَا تَرَوْنَ (المنذری بہ حوالہ طبرانی)

ترجمہ: ”حضرت عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصعب بن عمیر کو اپنی طرف آتے دیکھا اور حال یہ تھا کہ مینڈھے کی کھال تہبند کی جگہ لپیٹے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضورؐ سے کا دل بھر آیا، فرمایا: اس شخص کو دیکھو جس کے دل کو اللہ نے اسلام کی روشنی سے منور کیا۔ میں نے ان کو مکہ میں اسلام لانے سے پہلے اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے والدین انھیں بہترین کھانا کھلاتے۔ میں نے انھیں دوسو درہم کا قیمتی لباس پہنے دیکھا ہے، لیکن آج اللہ ورسول کی محبت میں تم انھیں اس حال میں دیکھ رہے ہو۔“

پرسکون اور سازگار ماحول میں کسی نظریے اور اصول کا حامل ہونا اس بات کی مکمل ضمانت نہیں دیتا کہ وہ نظریہ اور اصول اس حامل شخص کے نزدیک بالکل برحق ہے البتہ اس وقت ضرور دیتا ہے جب ماحول پُر امن نہ ہو، ہوا مخالف ہو، راہ میں رکاوٹیں اور مخالفتوں کا طوفان ہو اور اپنے نظریے پر شخص پوری ثابت قدمی اور عزم و استقلال کے ساتھ اپنے اصولوں پر جما ہوا ہو اور نہ صرف جما ہوا ہو بلکہ چونکہ برحق نظریے کا یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ اس کی تبلیغ واشاعت بھی ہو اس لیے وہ اس کام کو بھی محکم ارادے اور پختہ یقین کے ساتھ کر رہا ہو، یہ سند اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب آدمی منزل کی جانب ہوا کے مخالف سمت میں رواں دواں ہو، تاریخی حیثیت سے اگر جائزہ لیا جائے تو مختلف افکار ونظریات کے حامل لوگوں نے اپنے اپنے افکار ونظریات کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، لیکن اس جائزے کے لئے تاریخ اسلامی کے اوراق پلٹے جائیں تو قربانیوں کی بے شمار ایسی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ عقل محوِ تماشائے لب بام ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایک طویل فہرست ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ اسے پڑھا جائے اور رہنمائی حاصل کی جائے۔ انہی درخشندہ ستاروں میں سے ایک تاباں ستارہ وہ بھی ہے جسے اسلامی تاریخ میں مبلغ کی حیثیت سے پہلے سفیر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس کی قربانیوں کا تذکرہ مذکورہ بالا روایت میں خود رسول عربیؐ کر رہے ہیں کہ مصعب جن کی زندگی اسلام کی دعوت قبول کرنے سے پہلے اس قدر شاہانہ تھی کہ وہ دوسو درہم کے قیمتی لباس پہنا کرتے تھے، اچھے سے اچھا کھانا کھاتے تھے، جن کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ ان کے کپڑوں میں لگی خوشبو اتنے اعلیٰ درجے کی ہوتی تھی کہ جدھر سے گزر جاتے لوگ اندازہ لگا لیتے کہ مصعب ہی گزرے ہیں۔ غرض جو بھی آسائش کے سامان ہوسکتے ہیں سب وافر مقدار میں فراہم تھے لیکن آج اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اس حال میں ہیں کہ بدن کپڑے نہیں، کئی کئی دن فاقے سے گزر رہے ہیں۔ قیمتی کپڑوں کی جگہ بدن پر مینڈھے کی کھال ہے، مگر چہرے پر رنج وملال کے کوئی آثار نہیں، مطمئن ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی ہی ان کے لئے سب سے بڑی چیز ہے۔ یہاں تک کہ غزوۂ احد میں جب آپؓ شہید ہوئے تو اس وقت بھی اتنا کپڑا میسر نہ تھا کہ ایک کفن کے طور پر استعمال ہوجاتا۔ سر ڈھکا جاتا تو پیر کھل جاتا اور پیر ڈھکا

جاتا تو سر کھل جاتا۔آخر کار رسالت مآبؐ کے حکم پر سر کو کپڑے سے ڈھک دیا گیا اور پیروں پر گھاس ڈال دی گئی۔یہ اور اس طرح کی قربانیوں کی داستانیں ہیں جس سے شجر اسلام کی آبیاری کی گئی ہے،دین اسلام اپنے ماننے والوں سے ہر وقت اس طرح کی قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے۔"لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" "تم نیکی کے مقام کو ہرگز نہیں پاسکتے یہاں تک کہ متاعِ عزیز کو خرچ نہ کرنے لگو۔"

ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آپؐ نے فرمایا غور کرلو کیا کرنے جارہے ہو،اس شخص نے کہا میں نے غور کرلیا۔آپؐ نے فرمایا اچھے سے غور کرلو،کیونکہ جس نے بھی اس دعوت پر لبیک کہا ہے فقر و فاقہ اس کی طرف اتنی ہی تیزی سے آتا ہے جیسے سیلاب کا پانی ڈھلوان سے نیچے کی طرف آتا ہے۔

احیائے اسلام کے لئے ہر وقت کوشاں رہنے والے صحابہ کرام جب میدان بدر کی جانب دشمن کے مقابلے پر نکلتے ہیں تو ان کی حالت اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ یہ پاسبانِ اسلام اپنے مشن میں کس قدر سر دھڑ کی بازی لگارہے تھے،اس موقع پر رسول عربیؐ کی دعا جو ان کے حق میں آپ نے کی اس سے اندازہ ہوتا ہے۔آپؐ نے فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ عُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ، اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ جِیَاعٌ فَاشْبِعْھُمْ، اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاحْمِلْھُمْ" "اے اللہ! ان کے جسم پر کپڑے نہیں ہیں انھیں کپڑے پہنا،اے اللہ! یہ لوگ بھوکے ہیں انھیں پیٹ بھر کھانا کھلا،اے اللہ! یہ پیدل چل رہے ہیں ان کو سواری دے۔"

خود رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی میں اس طرح پیش پیش ہیں کہ جہاں دوسرے مسلمان بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر باندھے ہوئے تھے وہیں پر آپؐ کے پیٹ پر دو پتھر بندھا ہوا دیکھ کر صحابہ کرامؓ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

آج پھر اسلام دوبارہ اپنی مظلومیت کے دور میں داخل ہوچکا ہے اور اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ اس کے ماننے والے اپنے دین کی لاج رکھیں،اسے دوبارہ زندہ کرنے کی تن من دھن سے کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس مہم میں شریک ہونے اور انصار اللہ بننے کی توفیق دے۔آمین

●●●

(بقیہ ص ۴۰ کا)

پابند بناتے ہیں۔کھیل کے دوران جب کھلاڑی ناکام ہوجائے تو وہ ہمت نہیں ہارتا اور نہ ہی غصہ یا ناراض ہوتا ہے۔کیونکہ ایک کھلاڑی بخوبی جانتا ہے کہ ہار جیت تو کھیل کا حصہ ہے۔کھیل روح کی غذا بھی ہے اور کھیل سائنسی طور سے بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔کھیل سے انسان کا دماغ تیز ہوتا ہے اور صحیح کام کرنے میں مدد دیتا ہے۔جسم کے اعضاء طاقتور اور پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔انسان کی طبیعت بھی ہشاش بشاش رہتی ہے۔کھیلنے سے انسان کا جسم بالکل فِٹ رہتا ہے اور بیماریاں بھی دور رہتی ہیں۔کیونکہ کھیل ورزش کی ہی ایک قسم ہے اور بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ جس معاشرے میں کھیل کے میدان آباد ہوتے ہیں تو اس معاشرے کے اسپتال ویران ہوتے ہیں اور ایسے معاشرے کی ترقی اور خوشحالی یقینی ہوتی ہے۔چنانچہ کھیل وقت کا ضیاع نہیں بلکہ یہ وہ وقت ہے جو انسان کی مصروفیت بھری زندگی کو خوشگوار بناتا ہے۔لہٰذا بہتر زندگی اور بہتر صحت کے لئے ورزش اور کھیل کو دنہایت ضروری ہے۔اسی طرح ہم اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد کو بھی اپنے ذہن میں رکھیں جس میں رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَأَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ"

"مضبوط مومن کمزور مومن کے مقابلے اللہ کے نزدیک بہتر اور زیادہ محبوب ہے۔"

(صحیح مسلم/2664)

●●●

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے

اسامہ عظیم فلاحی

مساوات، عدل، ایک دوسرے کا احترام، حقوق کی پاسداری کے عالمی قوانین و معاہدوں کی اہمیت اکثر و بیشتر کھوکھلے نعرے ہی ثابت ہوتے ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد یقیناً اب تک کوئی تیسری عالمی جنگ نہیں ہوئی ہے لیکن انسانی جانوں کا ضیاع، آبادیوں کی بربادی، اموال کی تباہی اور انسانیت کی تذلیل دو عالمی جنگوں سے زیادہ ہو چکی ہے۔ عالمی اداروں کے عالمی قوانین و معاہدات کا اطلاق اگر کبھی ہوتا بھی ہے تو وہ صرف مسلم اور غریب ممالک پر۔ میانمار کا شمار دنیا کے پسماندہ ممالک میں ہوتا ہے لیکن جب اس نے مسلمانوں کی نسل کشی کی تو اس پر حقوق انسانی کے چیمپیئن اور عالمی خدائی کے علمبردار زبانی جمع خرچ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ سری لنکا میں ہوا اور بوسنیا میں 25 سال پہلے کی تاریخ دوہرائی جانے کا پھر امکان بڑھ گیا ہے۔ کشمیر اور فلسطین ایسے عالمی مسائل ہیں جنہیں جلد از جلد حل نہ کیا گیا تو مستقبل میں اس کے خطرناک نتائج ظاہر ہوں گے۔

اس وقت دنیا میں آبادی کے اعتبار سے دوسرے مقام کا حامل بھارت مسلمانوں کے لیے روز بروز نئی نئی آزمائشوں کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ ویسے تو تقسیم ہند کے بعد ہی سے حکومت کی سرپرستی میں مسلمانوں کو منظم طور پر تباہ کرنے کی طویل المیعاد پالیسی اختیار کی گئی۔ لیکن پچھلے دس سالوں میں یہاں کی فضا انتہائی زہرناک ہو چکی ہے۔ اب روز بروز مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے قتل عام کی سبھائیں منعقد ہو رہی ہیں جن میں کھلے عام انہیں قتل کرنے کی قسمیں کھائی جا رہی ہیں۔ پہلے ہری دوار، پھر رائے پور اور الہ آباد میں نہ صرف مسلمانوں کو قتل کرنے پر اکثریتی سماج کو بھڑکایا گیا بلکہ ہندو راشٹر کے قیام کو حقیقت بنانے کی قسمیں بھی کھائی گئیں۔ حال ہی میں امریکی ادارہ جینوسائڈ واچ نے اپنی رپورٹ میں یہ خلاصہ کیا ہے کہ نسل کشی کے دس مراحل میں سے بھارت آٹھویں مرحلے میں پہنچ چکا ہے اور یہ ایمرجنسی کی حالت ہے۔ مسلمانوں کے قتل عام کی پوری منصوبہ بندی ہو چکی ہے۔

ان سب کے اثرات ایک دوسری شکل میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ کرناٹک میں پہلے ایک سرکاری اسکول نے باحجاب بچیوں کے لیے اپنے اسکول کے دروازے بند کیے پھر ایک دوسرے اسکول نے یہی حرکت کی۔ جب اس پر آواز اٹھائی گئی تو حکومت کے وزیر نے کہا کہ یہ حکومتی فیصلہ ہے۔ لیکن اسی حکومتی فیصلے کی دھجیاں اگلے ہی دن اس وقت اڑائی گئیں جب ہندو طلبہ و طالبات نے بھگوا رومال (گمچھہ) گلے میں ڈالے اسکول گئے اور اس وقت مضمون لکھنے تک (15 فروری) یہ ملک کا سب سے حساس مسئلہ بن گیا ہے۔ ایک مسلم بہن مسکان خان کی بھگوا دھاری طلبہ و نوجوانوں کے ہجوم کے سامنے نعرہ تکبیر کی ویڈیو نے عالمی پیمانے پر لوگوں کی توجہ حاصل کر لی۔ اس دوران بھارتی حکومت کے ساتھ ساتھ کورٹ کا رویہ بھی غیر مناسب نظر آیا اور یہ پورا معاملہ حق و باطل کی کشمکش کا عکس پیش کر رہا ہے اور پوری توقع ہے کہ مستقبل میں اس کشمکش میں مزید شدت آئے گی۔

اس صورتحال سے مسلمانوں میں خوف اور اضطراب پیدا ہونا فطری بات ہے۔ دوسری طرف حکومت اور مسلم تنظیموں اور انکی قیادت کی خاموشیاں مایوسی اور غصہ میں اضافہ کا سبب بھی بن رہی ہیں۔ حساس اور فکرمند دلوں میں اس خراب ہوتی صورتحال پر کڑھن پیدا ہونا لازمی ہے۔ یہ صورتحال یقیناً تکلیف دہ ہے لیکن اس طرح کی خطرناک صورتحال میں مسلمان پہلی دفعہ مبتلا نہیں ہوئے ہیں۔ اس سے زیادہ خطرناک صورتحال کا مقابلہ کرتے ہوئے بارہا وہ کامیاب ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ آگے بھی کامیاب ہوں گے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں کفار و مشرکین کی نفسیات اور مسلمانوں سے دشمنی کی وجوہات کو سمجھنا ہوگا پھر ان کے مقابلے میں اپنی منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔

کفار ومشرکین کی نفسیات

خیر وشر کا وجود انسانی وجود سے جڑا ہوا ہے۔ انسان کی فطرت میں دونوں چیزیں ابتدا ہی سے ڈال دی گئی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ایک خارجی دشمن اور شر کا سب سے بڑا علمبردار بھی پیدا کیا گیا۔ ان دونوں کی کشمکش اول روز ہی سے شروع ہوئی اور قیامت تک جاری رہے گی۔ حق ایک رہے گا لیکن شر کی ہزاروں شکلیں ہوں گی جنہیں شیطان کے کارندے اسے خوشنما بنا کر ہمیشہ انسانوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ یہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ حق کے علمبرداروں کو اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق ضرور نقصان پہنچائیں گے۔ لہٰذا اہلِ حق کبھی انہیں اپنا خیرخواہ سمجھنے کی غلطی ہرگز نہ کریں۔ یہ کبھی بھی اہل حق کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔

ان کی اس نفسیات کو قرآن بار بار کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اسی لیے سب سے پہلے ان سے دوستی گانٹھنے سے منع کیا۔

''اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ صرف آپس میں دوست ہوسکتے ہیں۔'' (المائدہ:۵۱)

مشرکین سے دوستی گانٹھنے سے قرآن اس طرح منع کرتا ہے۔

''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔'' (الممتحنہ:۱)

شیطان کے کارندے اور انکا نظام سراسر ظلم پر قائم ہوتا ہے جس کو وہ حق کے لبادے میں پیش کرکے دنیا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ان کے اس دھوکے سے بعض دفعہ اہل ایمان بھی متاثر ہونے لگتے ہیں اور ان کی طرف کچھ میلان ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ ایسے موقع پر قرآن مخاطب کرکے رہنمائی کرتا ہے۔

''اور ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکو ورنہ اس کا انجام آگ کے عذاب کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور پھر اللہ کے مدد سے محروم بھی ہو جاؤ گے۔'' (ہود:۱۱۳)

قرآن نے کفار ومشرکین اور اللہ کے دشمنوں سے دوری اختیار کرنے کی ہدایت دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی دل کی کیفیت کو بھی کھول کر بیان کردیا ہے۔

''اگر تمہیں کوئی خوشی نصیب ہو تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمھیں تکلیف پہنچے تو انہیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔'' (آل عمران:۱۲۰)

''اے ایمان والو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمھاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے۔ تمھیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمھیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو۔ (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو)۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے مان لیا ہے، مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمھارے خلاف ان کے غیظ وغضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔'' (آل عمران:۱۱۸۔۱۱۹)

قرآن مجید ان کے دل کی حالت بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کی طرف سے آنے والے شر کی بھی تفصیلات بیان کرکے اہل ایمان کو متنبہ کردیتا ہے۔ اس سلسلے میں یہود اور مشرکین سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کے شدید ترین دشمن ہیں۔

''یقیناً تم یہود اور مشرکین کو اہل ایمان کا شدید ترین دشمن پاؤ گے۔'' (المائدہ:۸۲)

''یہ مشرکین تم پر غلبہ حاصل کرلیں تو تمھارے دشمن بن جائیں گے اور اپنے ہاتھ اور زبان سے نقصان پہنچائیں گے، اور ان کی خواہش ہوگی کہ تمھیں کافر بنادیں۔'' (الممتحنہ:۲)

’’اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور مشرکین کبھی نہیں چاہتے کہ اللہ کی جانب سے تمھیں کوئی بھلائی نصیب ہو۔

(البقرہ:۱۰۵)

چنانچہ یہ اہل ایمان کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ ’’یہ (یہود) صرف تمھیں تکلیف پہنچا سکتے ہیں، اگر لڑائی کی نوبت آجائے تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔‘‘

(آل عمران:۱۱۱)

’’مشرکین اور اہل کتاب کی جانب سے تم ضرور تکلیف دہ باتیں سنو گے۔‘‘(آل عمران:۱۸۶)

یہ بڑے بزدل بھی ہوتے ہیں، خدا سے زیادہ اہل ایمان سے ڈرتے ہیں۔

’’ان کے دلوں میں تمھارا ڈر خدا سے زیادہ ہے۔‘‘(الحشر:۱۳)

دشمنی کی بنیادی وجہ:

سوال یہ ہے کہ دشمنی کی وجہ کیا ہے؟ بڑے بڑے دانشور اور علماء بڑی بے چارگی سے سوال کرتے ہیں کہ آخر ہم نے اپ کو کیا نقصان پہنچایا ہے؟ ہم نے اپ کا کیا بگاڑا ہے جو اتنی نفرت کا اظہار کیا جا رہا ہے اور قتل عام کے لیے قسمیں کھائی جا رہی ہیں، سبھائیں منعقد کی جا رہی ہیں، مسلم خواتین کی بے عزتی کے لیے ایپس بنائے جا رہے حتی کے بھرے منچ سے مسلم خواتین کی لاشوں کو قبر سے نکال کر ریپ کرنے کی بات کی جا رہی ہے؟ اس قسم کا سوال کرتے ہوئے ہماری علمیت کہاں کھو جاتی ہے؟ آخر قرآنی حقائق ہم کیوں نہیں جاننا چاہتے،؟ جب کہ قرآن ان کی دشمنی کی وجہ صاف صاف بتاتا ہے۔

’’اور ان (مشرکین) نے اہلِ ایمان کو (آگ کی) سزا صرف اس وجہ سے دی کہ وہ اللہ رب العزت پر ایمان لائے تھے۔‘‘(البروج:۸)

فرعون موسیٰ علیہ السلام کو کیوں قتل کرنا چاہتا تھا؟ قرآن نے واضح کر دیا۔

’’کیا تم ایک شخص کو اس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔‘‘

(الغافر:۲۸)

حضرت ابراہیم اپنی قوم سے کشمکش کی علت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں۔

’’ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشگی کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے یہاں تک تم لوگ اللہ واحد پر ایمان لے آو۔‘‘(الممتحنۃ:۴)

مکہ کے کفار و مشرکین کی رسول پاک ﷺ سے دشمنی کی وجہ بھی یہی تھی

’’اس نے بے شمار خداوں کو چھوڑ کر ایک خدا کو تسلیم کر لیا ہے، یہ بڑی عجیب بات ہے۔‘‘

(ص:۵)

’’انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول اور تمھیں گھروں سے نکال باہر کر رہے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔‘‘(الممتحنۃ:۱)

مسلمانوں کی آمد سے پہلے بھارت اعتقادی بگاڑ اور سماجی عدم مساوات کا بری طرح شکار تھا۔ چند فیصد آبادی نے اکثریت کی زندگی کو جانوروں سے بھی بدتر بنا رکھا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے جہاں اکثریت کو ایک حد تک برہمنیت سے نجات ملی وہیں ایک بڑی تعداد نے اسلام بھی قبول کیا۔ ایک ہزار سالہ مسلمانوں کے غلبہ کی تاریخ کو برہمنیت اپنے لیے دورِ غلامی سے تشبیہ دیتی ہے۔ اسے بہت اچھی طرح احساس ہے کہ اسلام اور مسلمان ہی اس کے نظام کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہیں۔ آج اسے موقع ملا ہے تو وہ مسلمانوں سے انتقام لے رہی ہے۔ نیز اسے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں سے ہی اس کا اصل مقابلہ ہے اس لیے کسی بھی طرح انہیں واپس لا کر اپنے نظام کا حصہ بنایا جائے۔ ان کی ساری تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی پالیسیاں اسی کے ارد گرد گھومتی ہیں۔

یہ ہے دشمنی اور نفرت کی بنیادی وجہ۔ مسلمانوں کے لیے دو ہی راستہ ہے۔ اسلام سے پھر جائیں جس کے لیے مشرکین ہند حلف لیتے ہیں کہ ہم ان کی گھر واپسی کروائیں گے، یا پھر قرآن کی بیان کردہ وجہ کو تسلیم کر کے یہ سوال پوچھنا بند کر دیں کہ ہم سے دشمنی کیوں کی جا رہی ہے اور اس کشمکش کا حصہ بن جائیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

کفار کی ریشہ دوانیوں پر قرآن کا تبصرہ:

کفار و مشرکین کی منصوبہ بندیاں بڑی خطرناک ہیں۔ اگر اللہ کی مدد نہ ہو تو ان کا مقابلہ ممکن نہیں۔ قرآن کا بیان ہے:

’’وہ اپنی چالیں چلتے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کرتا ہے، اور انکے منصوبے تو ایسے ہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں۔‘‘(ابراہیم:۴۶)

’’یہ اپنی چالیں چلتے اور اللہ اپنی تدبیر کرتا ہے، اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

(آل عمران:۵۴)

’’(ساری منصوبہ بندی کے باوجود) یہ سب

شکست کھائیں گے اور اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔‘‘(القمر:۴۵)

’’ان پر شیطان مسلط ہوگیا ہے اور اس نے انہیں اللہ کے ذکر سے بھلا دیا ہے، یہ شیطان کا گروہ ہے جسے نقصان ہی اٹھانا ہے۔‘‘(المجادلہ:۱۹)

ان کفار سے ڈرنے اور گھبرانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اللہ انہیں چھوٹ دے رہا تاکہ اہلِ ایمان میں سے مخلص اور منافق چھٹ جائیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو موجودہ صورتحال میں چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ اس کی سنت کے خلاف ہے کہ مسلمان ذلت کی حالت میں رہیں۔ قرآن کا ارشاد دیکھیں:

’’اللہ تعالیٰ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اہلِ ایمان کو اس حالت میں چھوڑے رکھے جس میں تم ہو، (یہ آزمائش اس وجہ سے ہے کہ) وہ خبیث اور طیب کو چھانٹ کر الگ کرنا چاہتا ہے۔ اور غیب کی اطلاع وہ کسی کو نہیں دیتا۔ (کہ کب تک یہ حالت رہے گی)‘‘(آل عمران:۱۷۹)

اپنی تیاری کا جائزہ:

ایسی صورتحال میں ہمارا کام یہ ہے کہ بلاخوف اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی اور کے ذریعے کفار و مشرکین کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا بلکہ اہل ایمان کے ذریعے ہی انہیں رسوا کرے گا۔

’’ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا، اللہ ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا اور اہل ایمان کے دلوں کو راحت دے گا۔‘‘(التوبہ:۱۴)

مقابلے ہی میں کامیابی ہے، فرار اور پست ہمتی دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے جس کی سزا موت ہے۔ اللہ کی مدد اسی وقت ملے گی جب ہم خود کھڑے ہوں گے۔

’’اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔‘‘(محمد:۷)

’’اگر ایک چھوٹا سا ہی گروپ اللہ کے دین کے لیے کمر کس لے اور ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لے تو اللہ اس کو بڑے سے بڑے دشمن پر فتح عطاء کرے گا۔‘‘(الصف:۱۴)

اہل کفر و شرک دلائل سے خالی اپنے نظریہ پر ٹک نہیں سکتے۔ حقیقی ایمان سے مقابلہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب (ڈر اور پست ہمتی) ڈال دے گا۔

’’عنقریب ہم کفار کے دلوں میں ان کے شرک کی وجہ سے رعب ڈال دیں گے۔‘‘
(آل عمران:۱۵۱)

اس لیے مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ مایوس وہ ہو جس کے ساتھ اللہ کی ذات نہ ہو۔ جو ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہو، جس کے ہاتھ میں نفع و نقصان ہو، جو موت و حیات اور رزق کا مالک ہو وہ دنیا کی کسی طاقت سے ڈر کر رہ سکتا ہے؟ نہیں، بالکل نہیں، ایسے لوگ ہمت و جرأت کا مظاہرہ کریں اور کام پر توجہ دیں، اور اپنی بھرپور تیاری کریں۔ تقویٰ اور صبر و استقلال کو حرز جاں بنائیں۔ ہم پیٹھ نہیں پھیریں گے، اس کو یقینی بنائیں۔ ان شاء اللہ کامیابی اہلِ حق کو ہی ملے گی۔

’’جس قدر ممکن ہو قوت اکٹھا کر کے رکھو۔ تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو۔ اور ان دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ جانتا ہے۔‘‘(الانفال:۶۰)

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوبِ فطرت ہے

●●●

(بقیہ صفحہ ۳۹ کا)

آخرت میں اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس کمزور ہوتا ہو یا جس سے دنیا کی محبت ظاہر ہوتی ہو اس کو ختم کیا جائے اور اس کا استیصال کیا جائے۔‘‘(ص:۱۵۱۔۱۵۲)

کتاب کا اسلوب سادہ ہے، تحریر میں روانی کے ساتھ ساتھ فکر انگیزی بھی ہے، قاری ہر جملے پر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ آپ ؐ اور صحابہ کرامؓ کے واقعات کے ذریعے تحریر کو اور بھی مؤثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب ہر فرد کے پڑھنے کے قابل ہے تاکہ وہ بھی پڑھ کر اپنے وجود پر غور و فکر کر سکے اور یہ جان سکے کہ اس کے دنیا میں آنے کا اصل مقصد کیا ہے؟ وہ کس طرح اپنی ذمہ داری اپنے ماتحتوں، گاؤں اور شہر والوں کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔

●●●

ملّت کا تحفظ اور اسلامی تعلیمات

ابوغزوان فلاحی

تحفظ اور دفاع کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات اور اسوۂ رسول پر نظر ڈالنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کے پس منظر یعنی دسمبر ۲۰۲۱ء میں ہندو یوا واہنی کے دہلی پروگرام اور ہریدوار (اترا کھنڈ) کی دھرم سنسد میں کی گئی انتہائی اشتعال انگیز، مجرمانہ اور ملک کی تاریخ میں غالباً کسی اسٹیج سے عوامی جلسے میں کی گئی سب سے زیادہ نفرت انگیز مذہبی تقاریر کے چند نمونے اور اقتباس بھی درج کر دیے جائیں تاکہ سند رہے اور اس حساس موضوع کی تفہیم آسان ہو اور کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ مندرجہ بالا پروگراموں کی ویڈیوز سوشل میڈیا کے ذریعہ کروڑوں لوگوں نے دیکھی ہیں۔

۱۹/ دسمبر ۲۰۲۱ء کو دار الحکومت دہلی میں ہندو یوا واہنی کے ایک سمیلن میں سدرشن چینل کے سربراہ سریش چوہانکے نے وہاں موجود لوگوں کو حلف دلاتے ہوئے کہا: ''اپنی آخری سانس تک اس ملک کو ہندو راشٹر بنانے، بنائے رکھنے اور آگے بڑھانے کے لیے لڑیں گے، مریں گے اور ضرورت پڑی تو ماریں گے۔ ہم کوئی بھی قربانی دینے سے کسی بھی قیمت پر ایک لمحے کے لیے بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے''۔

پروگرام کے بعد چوہانکے نے اپنے ٹوئیٹر اکاؤنٹ پر یہ ویڈیو اپ لوڈ کی تھی جو تیزی سے پورے ملک میں وائرل ہوئی۔ دوسرا پروگرام ریاست اترا کھنڈ کے شہر ہری دوار میں ۱۷ تا ۱۹/ دسمبر ۲۰۲۱ء کو دھرم سنسد کے نام سے منعقد ہوا تھا جس میں متعدد سادھو سنتوں نے علی الاعلان مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی نسل کشی کے عزم کا اظہار کیا۔

یتی نرسنگھا نند نامی ایک مہنت کہتا ہے: ''لڑائی میں فاتح وہ ہوتا ہے جس کے ہتھیار دشمن سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ آپ کو ٹیکنک (فن) میں ان سے آگے جانا ہوگا۔ وہ بہت اچھے ہتھیار لیے بیٹھے ہیں۔ ہتھیار اٹھائے بنا دھرتی کی کوئی قوم نہ تو بچ سکتی ہے اور نہ بچی ہے۔ زیادہ سے زیادہ بچے اور اچھے سے اچھا ہتھیار ہی تمہیں بچانے والے ہیں''۔

ایک سادھوی کہہ رہی ہے: ''ان کی آبادی کو اگر ختم کرنا ہے تو ہم مارنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر ہم سب جنگجو بن گئے اور ہم نے ان کے بیس لاکھ بھی مار دیے تو ہم فاتح ہیں اور اس کے لیے ہم جیل بھی جانے کو تیار ہیں۔ ایسا جذبہ لے کر آؤ گے تبھی سناتن دھرم کو بچا پاؤ گے۔ اور دھیان رکھنا اس بھارت ماتا کی اس سناتن دھرم کی حفاظت کے لیے جنگجو ہی بننا پڑے گا۔ کاپی اور کتابوں کو رکھ دو اور ہاتھ میں ہتھیار اٹھا لو''۔

پربودھا نند گری نامی ایک سوامی نے اشتعال انگیزی کرتے ہوئے کہا: ''اب دیری نہیں ہے۔ اب یا تو خود مرنے کے لیے تیار رہو یا مارنے کے لیے تیار رہو، دوسرا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اسی لیے میانمار کی طرح یہاں کی پولیس کو، یہاں کے نیتاؤں کو، یہاں کی فوج کو اور یہاں کے ہر ہندو کو اسلحہ اٹھا کر اس صفائی ابھیان کو کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے''۔

ایک تیسرے مہنت جی فرمارہے ہیں: ''میں بار بار کہتا ہوں کہ موبائل پانچ ہزار والا بھی چل جائے گا لیکن اسلحہ تمہارے پاس کم سے کم

ایک لاکھ روپے والا ہونا چاہیے۔ ابھی بھی ایسے کئی گاؤں ہیں جہاں مسلمان بہت کم ہیں۔ جہاں دس، بیس، پچیس، پچاس مسلمان ہوں ان کی جائیداد زیادہ سے زیادہ قیمت پر خرید کر انہیں گاؤں سے باہر کردو۔ اس کے علاوہ ان کے خلاف دستوری اور قانونی دفعات کا بھی سہارا لو۔ میں تو کم از کم دس مسلمانوں کو ایس سی ایس ٹی کی جھوٹی دھارائیں لگوا کر جیل بھجواؤں گا۔ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو انہیں اتنا پریشان کرو کہ وہ اپنا گھر بیچنے پر مجبور ہو جائیں"۔

مندرجہ بالا دو پروگراموں کے علاوہ بھی ملک کے مختلف مقامات پر اسی قبیل کے متعدد ایسے عوامی پروگرام گزشتہ چند سالوں میں منعقد ہوئے ہیں جن میں بغیر کسی تکلف اور خوف کے مسلمانوں کو مارنے، ان کا سماجی بائیکاٹ کرنے اور ان کی مساجد اور مدارس کے علاوہ ان کی بیٹیوں کو نشانہ بنانے کا اعلان کیا گیا۔

تجزیہ نگاروں کے مطابق یہ اعلانات اس لحاظ سے انتہائی سنگین ہیں کہ یہ عام سادھو سنتوں کی جانب سے نہیں کیے گئے بلکہ ملک کے مختلف حصوں میں ہندو دھرم کے احیاء کے لیے قائم کیے گئے ۱۳ معروف اکھاڑوں کے سربراہ جنہیں "مہا منڈلیشور" کہا جاتا ہے، ان کی جانب سے کیے گئے ہیں۔

ایسی کھلی ہوئی شرانگیزی اور ہجومی تشدد کے سیکڑوں واقعات کے بعد بھی کیا ملت اسلامیہ ہند کا باشعور، تعلیم یافتہ اور زندہ دل طبقہ موجودہ فسطائی حکومت اور اس کی پولیس کے خوف سے مسلمانوں کے تحفظ اور دفاع کے موضوع پر سوچنے، بات کرنے اور عملی تیاری کے لیے آمادہ اور فکرمند نہیں ہوگا؟

بی بی سی اردو سروس کے وسعت اللہ خان کی ایک رپورٹ کے مطابق :

"جینو سائڈ واچ" نامی بین الاقوامی ادارہ کے بانی ڈائرکٹر اور "نسل کشی کے دس مراحل" کا نظریہ پیش کرنے والے امریکی ریاست ورجینیا کی جارج میسن یونیورسٹی کے سابق استاذ پروفیسر گریگوری اسٹینٹن نے جنوری ۲۰۲۲ء کے وسط میں امریکی کانگریس کی خصوصی کمیٹی کو خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ " بھارت اِس وقت نسل کشی کی کگار پر کھڑا ہے اور مسلمان وہاں پر نسل کشی کے آٹھویں مرحلے میں پہنچ گئے ہیں۔ یہ ماحول ۲۰۰۲ء سے بنایا جا رہا ہے جب ریاست گجرات میں وزیر اعلیٰ نریندر مودی کی سرکار تھی۔ گودھرا ٹرین آتش زدگی کا ذمہ دار مسلم اقلیت کو قرار دیتے ہوئے پہلے سے تیار مسلح ہندو گروہ مسلمان آبادیوں پر ٹوٹ پڑے اور تین دن میں ایک ہزار سے زیادہ مسلمان قتل کر دیے گئے"۔

اقوام متحدہ میں مشاورتی حیثیت کی حامل امریکہ کی غیر منافع بخش تنظیم "جسٹس فار آل" کی جانب سے گذشتہ دنوں منعقدہ ایک ورچول عالمی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر گریگوری اسٹینٹن نے کہا کہ: **"بھارت میں مسلم کمیونٹی کا مکمل صفایا صرف ایک قدم دور ہے۔**

پروفیسر گریگوری اسٹنٹن کا یہ انتباہ گزشتہ ماہ ہندو مذہبی رہنماؤں کی دھرم سنسد کے انعقاد کے بعد سامنے آیا جس میں ہر مقرر نے مسلمانوں کی نسل کشی پر زور دیا تھا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیا کے سابق سربراہ آکار پٹیل کا کہنا ہے کہ" جینو سائڈ واچ کے انتباہ کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔ بھارت میں فرقہ وارانہ اور نسلی تشدد کی تاریخ بتاتی ہے کہ ریاستی مشینری اور قیادت اپنی پالیسیوں اور طرز عمل سے مسلمانوں کے خلاف تشدد بھڑکاتی ہیں"۔

انسانی حقوق کے ایک سرکردہ کارکن پروفیسر آپوروانند کا کہنا ہے کہ "بی جے پی کی قیادت میں بھارت مسلمانوں اور مسیحیوں کے لیے دنیا کا خطرناک ترین ملک بن چکا ہے۔ انہیں سیاسی، معاشی اور نفسیاتی اعتبار سے مسلسل مار پڑ رہی ہے اور اب عدم برداشت خطرناک حدوں میں داخل ہو چکی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ گویا ہم بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں"

(www.humsub.com)

دفاع کا قرآنی تصور:

اپنے دفاع اور دشمن سے مقابلے کی تیاری کے ضمن میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے نظر اس آیت پر گئی :

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ۔ (الانفال:۶۰)

"اور اے مومنو! اپنی استطاعت کے مطابق ان کافروں کے لیے طاقت و قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں، اپنے دشمنوں اور اس کے علاوہ اُن دوسرے لوگوں پر بھی اپنی ہیبت قائم رکھ سکو جنہیں تم نہیں جانتے، حالاں کہ اللہ ان کو جانتا ہے"۔

"عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ کو منبر پر آیت کریمہ وَأَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِن قُوَّةٍ پڑھنے کے بعد فرماتے ہوئے سنا "سنو! قوت سے مراد تیراندازی ہے ،سنو! قوت سے مراد تیراندازی ہے ،سنو! قوت سے مراد تیر اندازی ہے ۔سن لو اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں فتح دے گا۔لہٰذا تم میں سے کوئی بھی اپنے تیروں سے کھیلنے میں سستی نہ کرے"۔
(ترمذی،ابواب التفسیر)

معلوم ہوا کہ لڑائی کے وقت کام آنے والے جملہ آلات اور اسلحہ جات وغیرہ ہر دم تیار رکھنا مسلمانوں پر لازمی ہے تا کہ کھلے اور پوشیدہ دونوں طرح کے دشمن خوف زدہ اور مرعوب رہیں اور وہ اہل ایمان کے خلاف کسی جارحانہ کاروائی اور اقدام کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔

سید قطب شہیدؒ نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں لکھا ہے:

"اس آیت کی رو سے اپنی طاقت کے مطابق تیاری کرنا بھی جہاد کی مانند فرض ہے ۔قوت کا لفظ ہر قسم کی قوت پر مشتمل ہے ،ہر زمانے میں جو چیز قوت ہوگی اسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ قوت کا حصول دشمنان خدا ، اعدائے اسلام اور اعدائے مسلمین کے دلوں میں رعب ڈالتا ہے تا کہ وہ مسلمانوں کو کمزور جان کر چھیڑ خوانی کی جرأت نہ کریں ۔مسلمان اسباب قوت جمع کریں تا کہ زمین میں باعزت و اکرام رہیں،ان کا رعب و جلال ہو اور دشمن ان سے ڈریں،کانپیں ۔تا کہ اللہ کا حکم سر بلند ہو اور اطاعت و حکم اللہ ہی کا چلے ۔

جباروں ،فرعونوں اور شدادوں کے پاس ہر قسم کی قوت ہوتی ہے جس سے وہ اسلام کی دعوت کا راستہ روکتے ہیں ۔پس یہ قوت اس عقیدہ کو اختیار کرنے والوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لیے ہے تا کہ کوئی ان کو راہ حق سے نہ روکے ،فتنے میں نہ ڈالے ۔تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسا ہوا ہے کہ لوگوں کو اس دعوت کی طرف آنے سے روکا گیا اور وہ ڈر کے مارے اسے قبول نہ کر سکے ۔جنہوں نے قبول کیا انہیں مبتلائے تعذیب کیا گیا۔پس مسلم جماعت اور مسلم حکومت کے پاس اتنی قوت ہونی چاہیے کہ کسی دشمن کو اسلام کی راہ روکنے کی جرأت نہ ہو۔دوسرا مقصد قوت کا یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم طاقت دارالاسلام پر تعدی نہ کر سکے ۔چوتھا مقصد یہ ہے کہ ان تمام قوتوں کو تہس نہس کر دیا جائے جو زمین میں اپنے لیے الوہیت کا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہیں ۔اپنے قانون اور اپنا تسلط خدا کی آزاد مخلوق پر قائم کرنا چاہتی ہیں اور ایک اللہ کی الوہیت اور حاکمیت کا اعتراف نہیں کرتیں"۔(فی ظلال القرآن،مترجم پروفیسر میاں منظور احمد، اسلامی اکادمی ،لاہور، پاکستان،سن اشاعت ۱۹۸۹ء)

سید قطب مزید لکھتے ہیں :

" مَا اسْتَطَعْتُم "کی قید یہ بتاتی ہے کہ اس سے مراد اپنی سکت اور مقدرت کی آخری حد ہے ۔یعنی جماعت اہل اسلام کو لازم ہے کہ جنگی قوت کا کوئی ساز و سامان جو اس کے بس میں ہو اسے حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ و کسر نہ اٹھا رکھے ۔ساتھ ہی آیت میں 'اعدائے قوت' کی اولین غرض کی بھی نشاندہی کر دی گئی :

"جس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور خود کے دشمنوں پر رعب طاری کر سکو اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے ، انہیں اللہ جانتا ہے"۔

گویا مقصد دشمنان خدا - جو روئے زمین پر جماعت مسلمین کے بھی دشمن ہیں - کے دلوں میں رعب و خوف ڈالنا ہے ۔اُن میں وہ ظاہری دشمن بھی شامل ہیں جن سے مسلمان باخبر ہیں، اور پس پردہ مخالفین بھی جن کے متعلق انہیں علم نہیں یا جنہوں نے علانیہ اپنی عداوت کا مظاہرہ نہیں کیا ہے،مگر اللہ ان کے پوشیدہ عزائم اور ان کے باطن کا حال جانتا ہے ۔یہ لوگ بھی اسلام کی طاقت سے مرعوب ہوں گے اگرچہ اس کا ہاتھ بالفعل ان کی طرف نہ بڑھا ہو ۔مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ قوت حاصل کریں اور تاحد استطاعت ،جنگی ساز و سامان اور اسلحہ جات جمع کریں تا کہ روئے زمین پر ان کا دبدبہ قائم رہے ،اللہ کا کلمہ بلند ہو اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے"۔
(اردو ترجمہ تفسیر فی ظلال القرآن جلد ششم، مترجم مسیح الزماں فلاحی ندوی ،نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، بلی ماران دہلی ۶،سن اشاعت ۲۰۲۱ء)

مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سپاہیانہ جوہر پیدا کرنے اور جنگی سامان و اسلحہ تیار رکھنے اور ان کے استعمال کے طریقوں کو جاننے کی ہدایت فرمائی ہے تا کہ حق کے دشمن ان کی تیاری سے مرعوب اور خوف زدہ رہیں اور ان سے معاہدہ کر کے توڑنے کی ہمت نہ کر سکیں ۔برخلاف اس کے بزدلی اور کمزوری کی برائی کی گئی ہے ۔ بدر کے موقع پر کچھ مسلمان جنگ کے نام سے جو

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ کی جا رہی تھی، متوحش ہو رہے تھے۔ اس پر وحی الٰہی نے ان کا ذکر مذمت کے ساتھ کیا : كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ۔ (الانفال:٦)

''گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں''۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ٦، ص ٣٥١)

ظلم وستم کو روکنے اور ظالموں سے پنجہ آزمائی کرنے والے اللہ کی نگاہ میں انتہائی معزز اور مکرم ہیں :

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (البقرہ :١٧٧)

'' اور جو لوگ سختی اور تکلیف اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں، وہی لوگ سچے ہیں اور وہی متقی ہیں''۔

معلوم یہ ہوا کہ سخت حالات میں دشمن سے لڑائی کے وقت بہادری اور مردانگی کا مظاہرہ کرنے اور تکلیفوں کو برداشت کرنے والوں کو اللہ رب العالمین متقی اور صادق کے لقب سے سرفراز کر رہے ہیں۔

سورہ انفال میں اللہ نے اہل ایمان کو بہادری اور شجاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُواْ زَحْفاً فَلاَ تُوَلُّوهُمُ الأَدْبَارَ (الانفال:١٥)

''ایمان والو! جب کافروں سے میدان جنگ میں مڈبھیڑ ہو جائے تو پیٹھ ہرگز مت دکھانا''۔

وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلاَّ مُتَحَرِّفاً لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزاً إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (الانفال:١٦)

''اور جان لو کہ جنگی چال یا دوسرے فوجی دستہ سے جا کر ملنے کے علاوہ جس نے بھی اس دن پیٹھ دکھائی، تو وہ اللہ کے غضب کو دعوت دے گا اور جہنم اس کا ٹھکانہ ہے جو کہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے''۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُواْ (الانفال:٤٥)

''اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا''۔

مسلمانوں کی ایک صفت بتائی گئی ہے کہ وہ کافروں کی طاقت وقوت کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں۔

وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ۔ (البقرہ : ١٩١)

'' اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی مت کرنا''۔

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح:٢٩)

''اللہ کے رسول محمد اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت یعنی زور آور ہیں''۔

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفاً مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ ۔ (الانفال:٦٥)

''اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں ایسے ١٠٠ کی تعداد میں ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ اس لیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں''۔

دفاع سیرت رسول اور احادیث کی روشنی میں :

اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کے دفاع اور دشمنوں سے مقابلے کے لیے تیاری کے سلسلے میں سیرت پاک کا اسوہ ہمارے لیے موجود ہے مگر افسوس کہ اس پر کبھی کوئی گفتگو نہیں ہوتی۔ نبی اکرمؐ کا وصال ہوا تو آپؐ کے گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل نہیں تھا مگر تلواریں موجود تھیں۔ آپؐ نے ترکہ میں ایک خچر، ایک قطعۂ آراضی جو بعد میں وقف کر دیا گیا تھا اور اسلحے یعنی جنگ میں کام آنے والے ہتھیاروں کا ایک ذخیرہ چھوڑا تھا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے 'متروکات نبیؐ' کے عنوان سے سیرت النبیؐ جلد دوم میں تمام تفصیلات پیش کرتے ہوئے لکھا ہے :

''رسول اللہ کے متروکات میں نو عدد تلواریں تھیں، جن کے نام ماثور، عصب، ذوالفقار، قلعی، بتار حتف، مخذم، قضیب ہیں۔ سات زرہیں تھیں، ذات الفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضہ، تبرا اور خرنق۔ چھ کمانیں تھیں، زورا، روحا، صفرا، بیضا، کتوم اور شداد۔ ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے۔ چمڑے کی ایک پیٹی تھی جس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔ ایک ڈھال تھی جس کا نام زلوق تھا۔ اس کے علاوہ پانچ برچھیاں تھیں۔

(سیرت النبیؐ جلد دوم، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، صفحہ ١٤٨-١٤٩)

معمولی عقل کا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ دو یا تین تلواریں جنگ کے موقع پر استعمال کے لیے کافی تھیں، نو تلواروں کی بظاہر کیا ضرورت تھی؟ مگر رسول رحمت کے گھر میں ہتھیاروں کا یہ ذخیرہ بتا رہا ہے کہ اسلحوں اور ہتھیاروں کی ہماری مذہبی، سماجی اور سیاسی زندگی میں کتنی اہمیت ہے۔

اپنے دفاع کے لیے ہمارے نبی کس قدر

حساس ،بیدار، تیار اور پیش قدمی کرنے والے تھے اس کا اندازہ غزوۂ تبوک کے واقعہ سے لگائیے کہ رجب ۹ ہجری میں جب مدینہ میں یہ اطلاع آئی کہ شمالی سرحد پر شام سے متصل علاقوں میں روم کا بادشاہ قیصر عرب پر حملہ کرنے کے ارادے سے لشکر تیار کر رہا ہے تو حضور اسلامی ریاست اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے فوراً قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کے لیے تیس ہزار کا لشکر لے کر سرحدی شہر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تا کہ دشمن کو سرحد پر ہی روک لیا جائے ۔ تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ قحط سالی کی وجہ سے انتہائی عسرت اور تنگی کا زمانہ تھا۔سواریاں کم تھیں ،سخت گرمی کا موسم تھا اور کھجور کی فصل پک کر تیار ہو رہی تھی ۔ایسے مشکل حالات میں تقریباً سات سو کلومیٹر کا سفر کرنا انتہائی غیر معمولی بات تھی ۔آپؐ نے تیار کھجوروں کو درختوں سے توڑنے کے لیے چند روز کا بھی انتظار گوارا نہیں کیا۔ شدید مالی نقصان کو برداشت کرتے ہوئے صحابہ کو ساتھ لے کر اپنی سرحد کو محفوظ بنانے ،دشمن کو روکنے اور اس سے مقابلہ کے لیے نکل پڑے ۔گویا آپ نے معیشت اور کاروبار کے مقابلے میں دفاع کو ترجیح دی کہ اس کے بغیر نہ معیشت باقی بچے گی اور نہ جان و مال محفوظ و سلامت رہیں گے ۔

رسول اللہ کی ایک معروف حدیث ہے :
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِیْنِهٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔مَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَھْلِهٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔(ترمذی،حدیث نمبر ۱۴۲۱)

”جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے،جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے ،جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے“۔فقہاء کے نزدیک یہ حدیث ظالم حملہ آور سے اپنے جان و مال ، دین و عقیدہ اور عزت و آبرو کی حفاظت اور دفاع کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا : لَاتَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللهَ الْعَافِیَةَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْھُمْ فَاصْبِرُوْا۔

”دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو، اللہ سے عافیت مانگو لیکن جب مڈبھیڑ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ“۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے نبیؐ! اگر کوئی میرے پاس آ کر میرا مال و اسباب چھیننے کی کوشش کرے تو میں کیا کروں؟ حضور نے فرمایا تم اس کو اپنا مال مت دو ۔اس نے کہا اگر وہ مجھ پر حملہ کر دے؟ حضور نے فرمایا تم بھی اس پر حملہ کرو۔اس شخص نے پوچھا اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ حضور نے فرمایا تم شہید ہو جاؤ گے۔اس نے پھر پوچھا اگر میں نے اسے قتل کر دیا؟ رسولؐ اللہ نے فرمایا ”وہ جہنم میں جائے گا“۔(رواہ مسلم)

سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ قبیلہ اسلم کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا ۔آپ نے فرمایا: ”اے بنی اسماعیل ! تیر اندازی جاری رکھو ، بے شک تمہارے باپ بڑے اچھے تیر انداز تھے اور میں تمہارے ساتھ ہوں“۔ یہ سننے کے بعد دوسرے فریق نے ہاتھ روک لیے تو رسولؐ اللہ نے ان سے فرمایا ”تم تیر اندازی کیوں نہیں کرتے ؟ انہوں نے کہا: ہم کیسے تیر پھینکیں جب کہ آپ ان کے ساتھ ہیں ۔تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: تیر اندازی کرو، میں سب کے ساتھ ہوں“۔
(بخاری، کتاب الجہاد، باب التحریض علی الرمی)

حضور نے فرمایا:”جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا،اس نے ہماری نافرمانی کی“۔
(مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ)

دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ سے شائع ہونے والی سیرت النبی ﷺ جلد ششم میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دشمنان دین کے مقابلے میں حضور نبی اکرم کی بہادری کا تذکرہ کرنے کے لیے ”شجاعت و بہادری“ کے نام سے ایک پوری فصل قائم کی ہے جس کو پڑھنا اور رسائل و جرائد میں شائع کرنا اور دیگر علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے ،نسل نو کی تربیت اور ذہن سازی میں خاصی معاون ہو سکتی ہے ۔میں اس مضمون کا آخری حصہ یہاں نقل کر رہا ہوں :

”غزوۂ حنین میں جب مشرکین نے رسولؐ اللہ کو گھیر لیا تو آپؐ نے خود عزم و ثبات کے عربی لہجے میں فرمایا : اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ یعنی میں سچا پیغمبر ہوں اس لیے میدان سے نہیں بھاگوں گا اور نہ ہٹوں گا۔ چنانچہ اس وقت غنیم کے تیروں کی بارش سے گو لوگ ہٹ گئے مگر آنحضرت نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں فرمائی ۔

بزدلی اسلام میں ایسا سخت اخلاقی عیب ہے جس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ رسول اللہ نے اپنی دعاؤں میں جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے ان میں بزدلی بھی ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ بے چارگی (عجز) کاہلی (کسل) بزدلی اور بڑھاپے سے بھی پناہ مانگتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ انسان میں سب سے بڑی بد اخلاقی گھبرا دینے والا بخل اور دل دہلا دینے والی بزدلی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیؓ صحابی نے ایک خط لکھ کر بھیجا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ ”رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جب دشمن سے مقابلہ آپڑے تو ثابت قدم رہو۔ اسی خط میں رسول اللہ کا وہ بلیغ فقرہ بھی ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے: واعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ”یقین کرو کہ بہشت تلواروں کی چھاؤں میں ہے“۔

(سیرۃ النبیؐ سید سلیمان ندویؒ دار المصنفینؒ اعظم گڑھ جلد ششم ص ۳۵۰-۳۶۰)

حضور نبی اکرمؐ کی شجاعت اور بہادری ایک پورا عنوان ہے جس پر باضابطہ کتاب تصنیف ہونی چاہیے۔ میں یہاں امت کے نوجوانوں کے لیے بطور مثال چند واقعات کی طرف اشارہ کروں گا۔

شوال ۳ ہجری میں جنگ احد کے لیے صف بندی کے بعد رسول اللہ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ”جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا“۔ پھر آپ نے صحابہ میں شجاعت اور بہادری کی روح پھونکنے کے لیے چمکتی ہوئی تلوار نیام سے باہر نکالی اور پوچھا کون ہے جو اس کا حق ادا کرے؟ کئی صحابہ تلوار لینے کے لیے آگے بڑھے، حضرت ابودجانہؓ نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ اس کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”اس سے دشمن کے چہرے کو مارو یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہوجائے“۔ انہوں نے کہا اللہ کے رسول میں اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ نے وہ تلوار انہیں عطا فرمائی۔

احد کے میدان میں فتح کے بعد جب جبل رماۃ پر تعینات تیر اندازوں کی بڑی تعداد اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگی اور کافروں نے عقب سے مسلمانوں پر دوبارہ پلٹ کر حملہ کردیا تو اسلامی لشکر کے لیے ایک انتہائی خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ ابتری کے عالم میں رسول اللہ کے ساتھ صرف ۹ صحابہ رہ گئے تھے، مگر آپ نے پوری طرح دشمنوں کے نرغے میں گھر چکی اپنی فوج کو چھوڑ کر خود کو بچانے کے لیے تیزی سے محفوظ مقام پر جانے کے بجائے، بے پناہ شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو خطرے میں ڈال کر صحابہ کی جان بچانے کی کوشش کی۔ انتشار اور بدنظمی کے عالم میں اسلامی فوج کا بہت نقصان ہوا۔ ایک کافر نے پتھر مارا تو آپ کا نچلا دانت ٹوٹ گیا اور ہونٹ زخمی ہوئے۔ ایک مشرک نے چہرۂ انور پر تلوار سے ضرب لگائی تو خود (لوہے کی جنگی ٹوپی) کی ۲ کڑیاں ٹوٹ کر چہرۂ مبارک میں دھنس گئیں۔ چہرہ خون آلود ہوگیا مگر آپ نہایت بہادری سے کافروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت قتادہؓ کی روایت ہے کہ احد کی لڑائی میں رسول اللہ نے اپنی کمان سے دشمن پر اتنے تیر برسائے کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا تھا۔ (الرحیق المختوم، صفی الرحمان مبارکپوری، دارالسلام ص ۳۹۱)

ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک گھاٹی میں تشریف لائے تو ایک کافر ابی بن خلف نے آپ کو چیلنج کیا۔ صحابہ نے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا ”اسے آنے دو“۔ چنانچہ جب وہ قریب آیا تو حضور اس کے سامنے آئے اور اس دشمن کی خود اور زرہ کے درمیان تھوڑی سی خالی جگہ میں ایسا تاک کر نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے لڑھک گیا۔ (الرحیق المختوم، صفی الرحمان مبارکپوری، دارالسلام، ص ۳۹۱)

غزوۂ خندق (احزاب) کے موقع پر ایک چٹان کا پتھر کسی صحابی سے نہیں ٹوٹ رہا تھا۔ حضور کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور آپ کی کدال کی ضرب سے وہ سخت پتھر پاش پاش ہوگیا، حالانکہ کئی دن سے فاقہ تھا اور پیٹ پر ۲ پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حضور بنفس نفیس خندق کھودنے میں صحابہ کے ساتھ شریک تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خندق سے مٹی ڈھو رہے تھے، آپ کا جسم اطہر غبار آلود تھا، اور آپ اسی حالت میں عبداللہ بن رواحہ کے مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلْنَا سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا
اِنَّ الْاُلٰى رَغِبُوْا عَلَيْنَا
وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ترجمہ : اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ہی صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ پس تو ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رکھنا۔ انہوں نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ اگر وہ کوئی فتنہ چاہتے ہیں تو ہم ہرگز سر نہیں جھکائیں گے"۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق خندق کھودنے کے دوران ہی آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلاَّ عَیْشُ الاٰخِرَۃِ فَاغْفِرْ لِلْمُھَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ

تو صحابہ کرامؓ نے جواب میں کہا :

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

حنین کی جنگ میں بھی رسول اللہ کی بے مثال بہادری کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

فتح مکہ کے بعد ۶ شوال ۸ ہجری میں رسولؐ اللہ ۱۲ ہزار کا لشکر لے کر متکبر اور مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنانے والے قبیلہ بنو ہوازن کی سرکوبی کے لیے حنین کے لیے روانہ ہوئے۔ ۱۰ شوال کو وادی حنین میں اچانک پہلے سے گھات لگا کر بیٹھے دشمن نے تیروں کی بارش کر دی۔ مسلمان اس اچانک حملے سے سنبھل نہ سکے اور بھگدڑ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس موقع پر رسولؐ اللہ نے اپنے اصحاب کو پکارا "لوگو! میری طرف آؤ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں"۔ اس وقت آپ کے ساتھ چند مہاجرین اور اہل خانہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس موقع پر بھی آپ نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ انتہائی نازک اور خطرناک لمحات میں بھی آپ کا رخ دشمن کی طرف تھا اور آپ ان کی جانب پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

حضرت انس بن مالک کی روایت میں ہے کہ ایک بار رات کی تاریکی میں کچھ شور ہوا، اہل مدینہ کے دلوں میں کسی حملے کا خوف پیدا ہوا۔ سب لوگ اس آواز کی جانب لپکے تو دیکھا کہ خود سرور کائنات سب سے پہلے تحقیق کر کے واپس آرہے ہیں۔ آپ ای کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی اور وہ ننگی پیٹھ حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگا کر آرہے تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: "ڈرو نہیں، خوف کی کوئی بات نہیں ہے"۔

ایک موقع پر جب بدویوں نے آپ کو گھیر لیا تو فرمایا "تم لوگ مجھ کو بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے"۔

ایک مرتبہ آپ ببول کے درخت کے سائے میں سو رہے تھے۔ غوث بن حراث نامی کافر نے چپکے سے آپؐ کی تلوار اٹھالی اور بولا "اے محمدؐ! بتاؤ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسولؐ اللہ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور بغیر ڈرے ہوئے پورے اطمینان سے جواب دیا "اللہ"۔ غوث پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ آپ نے آگے بڑھ کر تلوار اٹھالی اور پوچھا "اب تم کو کون بچائے گا؟۔ گھبراہٹ میں اُس سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو آپ نے فرمایا "جاؤ میں بدلہ نہیں لیتا"۔

رکانہ عرب کا ایک نامی گرامی پہلوان تھا جس کا مقابلہ کرنے کے لیے دور دراز کے علاقوں میں بھی کوئی ہمت نہیں کرتا تھا۔ ایک بار اس نے رسولؐ اللہ کو چیلنج کیا کہ مجھ سے کشتی لڑیں۔ حضور نے اس کا چیلنج قبول کیا اور اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اس کی خواہش پر حضور دوبارہ لڑے اور دوبارہ پچھاڑا۔ تیسری بار پھر کشتی ہوئی تو حضور نے اسے تیسری بار بھی چاروں خانے چت کر دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم میں سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرت کے پاس کھڑا ہوتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ رسولؐ اللہ نہایت بہادر تھے۔ آپ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ نے آپؐ کی تعریف کرتے ہوئے اَشْجَعُ النَّاسِ کہا تھا۔

●●●

(ہمیشہ سچ کہو)

سچ کہو گے تو تم رہو گے عزیز
سچ تو یہ ہے کہ سچ ہے اچھی چیز
سچ کہو گے تو تم رہو گے شاد
فکر سے پاک رنج سے آزاد
سچ سے رہتی ہے تقویت دل کو
سہل کرتا ہے سخت مشکل کو
سچ ہے سارے معاملوں کی جان
سچ سے رہتا ہے دل کو اطمینان
سچ میں راحت ہے اور آسانی
سچ سے ہوتی نہیں پشیمانی
سچ ہے دنیا میں نیکیوں کی جڑ
سچ نہ ہو تو جہان جائے اجڑ
سچ کہو گے تو دل رہے گا صاف
سچ کرا دے گا سب قصور معاف
جس کو سچ بولنے کی عادت ہے
وہ بڑا نیک باسعادت ہے۔

(اسماعیل میرٹھی)

حجاب سے دشمنی کیوں؟

ڈاکٹر قدسیہ بنت نصیر

ملک میں جاری حجاب تنازعہ ان دنوں زوردار بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ کچھ افراد اسے دستوری مسئلہ قرار دے رہے ہیں، کچھ تعلیمی مسئلہ بتارہے ہیں اور کچھ محض سیاسی چال سے تعبیر کررہے ہیں۔ حالانکہ نگاہِ مومن کے لیے یہ معاملہ دو اور دو چار کی طرح واضح ہے۔ گزشتہ واقعات پر ایک نظر ہی اس کی حقیقت کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

اگرچہ تقسیم ہند کے بعد سے ہی مسلمان نفرت کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات اور بم دھماکوں کا ایک سلسلہ چلا تھا جو بے قصور نوجوانوں کی گرفتاریوں پر منتج ہوتا تھا۔ سوریا نمسکار، یوگا، تین طلاق، یکساں سول کوڈ، وندے ماترم، مساجد کی جگہ مندروں کے دعوے اور گئوکشی کے الزامات شروع سے لگتے رہے ہیں۔ البتہ پچھلے کچھ سالوں سے اس نفرت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ مساجد سے حملے بڑھ کر کالج اور یونیورسٹیوں تک پہنچ گئے۔ گائے کی حفاظت کے نام پر اک بھیڑ کا مشتعل ہو کر تنہا فرد کو قتل کردینا معمول بن گیا۔ تعلیم یافتہ نوجوان UAPA جیسے خونیں قوانین کے تحت پابند سلاسل ہونے لگے۔ پولس تھانے جن کا کام عوامی حفاظت ہوتا ہے مسلمان قیدیوں کی پراسرار اموات کی جگہیں بن گئیں۔ ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے خلاف الٹے مقدمے ہونے لگے (جیسا کہ تری پورہ فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کا معاملہ رہا)۔ مسلمان عورتوں کی عزتوں کو لوٹنے کی منصوبہ بندی کی گئی چنانچہ بھگوا لوٹریپ کا شکار ہو کر مرتد ہونے والی مسلم لڑکیوں کی کثیر تعداد بھی پچھلے سال سامنے آئی۔ مذہبی اجلاس کے اسٹیجیس سے علی الاعلان مسلمانوں کے قتل عام کی باتیں کی گئیں۔ ان کا تجارتی بائیکاٹ کرنے کی قسمیں اٹھائی گئیں۔ یہاں تک کہ وبائی صورتحال کو بھی نہیں بخشا گیا اور اسے بھی مسلمانوں کی سازش قرار دیا گیا۔

کیا حالیہ تنازعہ بھی ان ہی سلسلوں کی ایک کڑی نہیں ہے جن کی زد ہمیشہ مسلمانوں پر پڑتی رہی ہے؟ حقیقت تو یہی ہے کہ اس واقعے کو ملک میں نظریۂ ہندوتوا کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی اسلام مخالف فضا کے پس منظر میں دیکھنا ہی درست ہے۔ اس کا اظہار غیر مسلم اسکالرز نے بھی کیا ہے۔ پروفیسر فنی راج (کرناٹک کمیونل ہارمونی فورم) BBC کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں: ”اس واقعے کو تاریخی نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔ 1991 کے بعد رام جنم بھومی آندولن کے بعد یہاں (کرناٹک میں) ABVP کا تیزی سے اٹھاؤ ہوا جس کے نتیجے میں طلباء میں ہندوتوا کے شدت پسند خیالات کا غلبہ ہوگیا ہے۔“

کرناٹک کے ایک اسکول سے شروع ہوا یہ تنازع بڑی ہی تیزی کے ساتھ دیگر اداروں میں پھیلتا گیا گویا نفرت کی چنگاری ہر جگہ موجود تھی جسے بس اب ہوا ملی اور آگ پھیلتی گئی۔ اگر ان اداروں میں پہلے سے حجاب پر پابندی تھی تو طالبات کو داخلہ کے وقت ہی یہ بات معلوم ہونی چاہیے تھی۔ جب کہ اک کثیر تعداد ابھی تک کالج میں حجاب کی پابندی کرتی رہی ہے۔ اچانک اپنے دروازوں کو مسلم طالبات پر بند کردینا کیا تعصب اور سازش کی علامت نہیں ہے؟

نیز یہ تعلیمی اداروں پر ہندوتوادیوں کی پکڑ کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ جنوری میں گورنمنٹ PU کالج اڈوپی کی انتظامیہ اور طالبات کے والدین کی MLA رگھوپتی بھٹ کے ساتھ ہوئی میٹنگ میں MLA کا یہ بیان اس کی کھلی مثال ہے کہ: ”ہم

آپ کو حجاب کی اجازت نہیں دے سکتے اگر آج آپ کی لڑکیاں حجاب پہنتی ہیں تو کل ہمارے طلباء زعفرانی شال پہنیں گے۔"

اسی کے بعد حجاب کی مخالفت میں زعفرانی شالیں پہنی گئیں اور اسی کے بعد مسلم طالبات کو بھیڑ کے ذریعہ ہراساں کرنے کے واقعات بھی پیش آئے۔لیکن الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق کرناٹک کے وزیر تعلیم BC ناگیش نے یہ سوال اٹھایا کہ"اس (مسکان خان) نے بھیڑ کو مشتعل کیوں کیا؟"

طالبات کے ہائی کورٹ سے رجوع ہونے کے بعد آئے عبوری فیصلے نے ہندتوادیوں کو ہی مزید مضبوطی بخشی۔حالانکہ یہ حکم بھی ان اداروں کے لیے تھا جن میں یونیفارم نافذ ہے۔لیکن اس کے بعد تمام کالجوں کے دروازے حجابی لڑکیوں کے لیے بند کردیے گئے۔نہ صرف طالبات بلکہ خواتین اساتذہ کے حجاب اتروانے کے شرمناک واقعات بھی پیش آئے۔یہاں تک کہ اقلیتی اداروں میں بھی اس پابندی کو نافذ کیا گیا۔

عارضی فیصلے میں کہا گیا کہ ایسے لباس پر پابندی ہوگی جو مساوات، قومی سالمیت، اور عوامی نظم ونسق کے منافی ہوں۔قومی سالمیت اور عوامی نظم ونسق کو کپڑے کے ٹکڑے سے جوڑنا اپنے آپ میں مضحکہ خیز ہے۔مساوات تعلیمی اداروں میں معاشی پہلو سے متوقع ہوتی ہے لیکن یہ لوگ اس مساوات کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں؟ کیا یہ اس مساوات کے نام پر اکثریتی کلچر کو تھوپنا چاہتے ہیں؟

یقیناً یہ صرف الیکشن کا ایجنڈا نہیں بلکہ ہندتو کے مستقل ایجنڈے کا ایک حصہ ہے۔ہندو راشٹر کا نقشہ کھینچتے ہوئے گولوالکر نے ایک معنی خیز سوال اٹھایا تھا"اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کی سرزمین ہے اور یہ صرف ہندو قوم کے پھلنے پھولنے کا مقام ہے تو ان تمام لوگوں کا کیا ہوگا جو آج اس ملک میں رہ رہے ہیں اور ان کا ہندو نسل اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں؟" پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب اس طرح دیا تھا"ایسے لوگوں کے لئے قومی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہوگی جب تک کہ وہ راشٹر کے دھرم، ثقافت اور مذہب کو استعمال نہ کرلیں"نیز یہ کہ" باہر سے آنے والی نسلوں کو یا تو ہندو کلچر کو اپنا لینا چاہیے اگر یہ نہیں تو ملک میں پوری طرح ہندو راشٹر کا ماتحت بن کر رہنا چاہیے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کوئی رعایت نہیں اور کوئی حقوق شہریت نہیں۔"

حجاب کا یہ تنازعہ تعلیم کے نام پر بلیک میل کر کے اسلامی شناخت کو چھیننے کی ایک کوشش ہے۔جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ صرف انتخابی ایجنڈہ ہے تا کہ مہنگائی اور بے روزگاری جیسے مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹائی جاسکے کیا وہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ کئی ہندو نوجوان خود بے روزگار ہونے کے باوجود بی جے پی کی شدید حمایت کر رہے ہیں۔یہ اسی ہندتو نظریے کے ثمرات ہیں۔

جو لوگ بھارتی تہذیب کی دہائی دے کر اس مسئلہ کو غیر مسلموں کے سامنے اٹھا رہے ہیں انھیں بھی اس دفاعی انداز سے اوپر اٹھنے کی ضرورت ہے۔انہیں یاد ہونا چاہیے کہ یہاں کے لوگوں کو لباس پہننے کا سلیقہ بھی ہم نے سکھایا ورنہ یہاں ساڑھی اور دھوتی کے نام پر کپڑا لپیٹ دینے کا رواج تھا۔اسلام نے لباس کا پاکیزہ تصور دیا اور خصوصیت کے ساتھ نسوانی وصف حیا کی حفاظت کے لیے پردہ اور حجاب کا نظام دیا۔

یہ حجاب اسلام کی خاص پہچان ہے جسے قرآن کی زبان میں شعائر اللہ کہا گیا ہے۔اور شعائر اللہ ہمیشہ ہی باطل کی نگاہوں میں کھٹکتے رہے ہیں۔چنانچہ اسلامی شعار _ نماز ،قرآن، مساجد، اذان، ذبیحہ، حجاب اور داڑھی وٹوپی کو یہ لوگ نشانہ بناتے رہے ہیں۔اسی پس منظر میں حکمران جماعت کے ایک رکن اسمبلی رگوبیندر سنگھ کا حالیہ بیان بھی قابل ذکر ہے جس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے کہ"ہم مسلمانوں کو ٹوپی اتار کر ماتھے پر تلک کا نشان بنانے پر مجبور کردیں گے۔"

اس صورتحال میں مسلمانوں کو قرآن کے اس دوٹوک فیصلہ کی روشنی میں اپنی راہ چن لینی چاہیے کہ"قَد تَبَیَّنَ الرُّشدُ مِنَ الغَیِّ فَمَن یَکفُر بِالطَّاغُوتِ وَ یُؤمِن بِاللہِ فَقَدِ استَمسَکَ بِالعُروَۃِ الوُثقٰی لَا انفِصَامَ لَھَا وَ اللہُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ"

ظالموں کے مقابلے ایمان پر استقامت ہر دور میں مومنین کا رویہ رہا ہے۔اور یہی چیز ہر دور میں مومنین کے غلبے کا ذریعہ رہی ہے۔(وَ اَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ)

اس ایمان کی کمزوری نے یہ حالات دکھائے ہیں کہ آج یہ سوال ڈیبیٹ کا موضوع بنا ہوا ہے کہ آیا اسلام میں حجاب لازم ہے بھی یا نہیں۔کیا اس کے پیچھے کچھ نام نہاد مسلمانوں کی روشن خیالی اور کچھ ماؤں اور بہنوں کی پردے کو لے کر بے عملی وجہ نہیں ہے؟ یہ اللہ کے قانون پر کمزور ایمان ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

مسلم دشمنی کی بھڑکتی آگ اور حجاب کا تنازع

ڈاکٹر سلیم خان

ہندوؤں کی نئی نسل اسلام کی مخالفت میں تو بہت شور کرتی ہے مگر اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے مذہب سے دور ہوتی جارہی ہے

کرناٹک کے اندر حجاب کا تنازع اپنے شباب پر ہے۔ فرقہ پرستی کی اس آگ کو بھڑکا کر بڑی بے حیائی کے ساتھ بی جے پی والے اپنی سیاسی روٹیاں سینک رہے ہیں۔ اس کی ابتدا کرتے ہوئے حجاب پر اظہار خیال کرتے ہوئے کرناٹک بی جے پی کے صدر نلین کمار کٹیل نے کہا کہ ریاستی حکومت تعلیمی نظام میں طالبانائزیشن کی اجازت نہیں دے گی۔ عام طور پر یہ اصطلاح عدم رواداری کے لیے استعمال ہوتی ہے لیکن پچھلے دنوں رونما ہونے والے ایک واقعے نے اس کے معنیٰ بدل دیئے۔ شارلٹ بلیز نامی صحافی الجزیرہ چینل میں زیر ملازمت تھیں۔ انہوں نے امریکی انخلا کے بعد افغانستان میں خواتین کی حالت پر طالبان سے تیکھے سوالات بھی کیے تھے۔ وہ حاملہ بھی تھیں۔ انہوں نے قطر سے اپنے وطن نیوزی لینڈ لوٹنے کی کوشش کی تو اجازت نہیں ملی۔ بیلجیم گئیں تو عارضی قیام کا موقع ملا۔ بیلجیم کی حکومت نے بھی ویزے میں توسیع سے انکار کر دیا ان دونوں کے پاس صرف افغانستان کا ویزہ تھا، اس لیے طالبان سے اجازت طلب کی تو انہوں نے اپنے ملک آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن نوزائیدہ ہندو راشٹر کرناٹک میں ایسا کیونکر ممکن ہے؟ اس لیے کٹیل طالبانائزیشن کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟ لیکن افسوس کہ طالبان مخالف ملالہ یوسف زئی نے بھی ان کی مخالفت کردی۔

پارٹی کے ریاستی صدر نے یہ بھی کہا کہ یہاں (کرناٹک) کے اسکول سرسوتی مندر ہیں جہاں پڑھنا ہی مذہب ہے۔ یہ بات اگر درست ہے تو انہیں بتانا ہوگا کہ حجاب کے خلاف جیے شری رام کے نعرے لگانا اور قومی پرچم اتار کر بھگوا جھنڈا لہرانا کیا ہے؟ کٹیل نے کہا یہاں کسی اور مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں، جو لوگ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہاں آسکتے ہیں، اور جو تعلیم حاصل نہیں کرنا چاہتے وہ کہیں اور جاسکتے ہیں۔ ریاست میں بی جے پی کی حکومت ہے، اس لیے یہاں حجاب پہننے کی کوئی گنجائش نہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی والے اقتدار میں آتے ہی اپنے مخالفین کو کہیں اور جانے کی دھمکی دینے لگتے ہیں لیکن بہت جلد خود ان کا بوریا بستر گول ہوجاتا ہے جیسا کہ پچھلے انتخاب میں ہوگیا تھا اور پھر چور دروازے سے انہیں سرکار بنانی پڑی۔ کٹیل کو اگر لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اقتدار پر فائز ہوگئے ہیں تو راحت اندوری کے یہ اشعار انھیں کے لیے ہیں:

جو آج صاحب مسند ہیں کل نہیں ہوں گے
کرایہ دار ہیں مالک مکان تھوڑی ہیں
سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے

کرناٹک میں سیاسی اعتبار سے بی جے پی کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اس کا اندازہ ضمنی اور بلدیاتی الیکشن میں ہوتا رہا ہے۔ دسمبر 2021ء میں جملہ 1184 نشستوں پر بلدیاتی الیکشن ہوا۔ ان میں سے کانگریس نے 501 سیٹیں جیت کر اپنی برتری ثابت کی، جبکہ اقتدار کا بھرپور

فائدہ اٹھانے کے باوجود بی جے پی کو صرف 431 نشستوں پر اکتفا کرنا پڑا۔ دیوی گوڑا کی جنتادل (ایس) جو آج کل کرناٹک میں بی جے پی کی بی ٹیم بنی ہوئی ہے، چوتھے نمبر پر کھسک گئی۔ اس سے چار گنا زیادہ 207 / آزاد امیدوار جیت گئے۔ اس انتخاب میں کانگریس کو جہاں 42.06 فیصد ووٹ ملے، وہیں بی جے پی 9.36 فیصد پر سمٹ گئی۔ یہ پانچ فیصد کا فرق معمولی نہیں ہے۔ جنتا دل ایس کو 8.3 فیصد ووٹ ملے، جبکہ آزاد امیدواروں کے کھاتے میں 24.17 فیصد ووٹ گئے۔ جن علاقوں میں یہ انتخاب ہوا اُن میں وزیر اعلیٰ کا آبائی شہر بھی شامل تھا، اس لیے اُن کی قیادت پر سوالیہ نشان کھڑا ہوگیا، کیونکہ ماہِ ستمبر کے ضمنی انتخاب میں بھی بی جے پی کو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور وزیر اعلیٰ اپنے ہی علاقے میں پارٹی امیدوار کو کامیاب نہیں کراسکے تھے۔ بی جے پی کو اب یقین ہوگیا ہے کہ سال کے آخر میں دولت کے سہارے قائم کیا جانے والا اقتدار اب ہاتھ سے نکل جائے گا، اس لیے وہ مسلسل فرقہ پرستی کو ہوا دے رہی ہے۔ کبھی گئوکشی اور کبھی تبدیلی مذہب کے قوانین کو سخت بنایا جاتا ہے۔ کبھی مسلمانوں، تو کبھی عیسائیوں کو نشانہ بنا کر فرقہ واریت کو ہوا دی جاتی ہے۔ حجاب کی مخالفت بھی اسی ضرورت کا ایک حصہ ہے، مگر اس طرح وہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہی ہے۔ ایسا کرنے سے وہ پانچ فیصد کا فرق پندرہ فیصد میں بدل سکتا ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کا مزاج چونکہ سازشی ہے اس لیے اُن کو اپنی ہر مخالفت میں کسی نہ کسی سازش کی بُو آنے لگتی ہے، حالانکہ وہ تو ان کی حماقتوں کا سیدھا سادہ ردعمل ہوتا ہے۔ کرناٹک کے اندر حجاب کی خاطر ہونے والے زبردست احتجاج نے بی جے پی کا دماغ درست کردیا تو ریاست کے وزیر تعلیم بی سی ناگیش نے اسے ایک سیاسی سازش قرار دے کر رونا دھونا شروع کردیا۔ وزیر موصوف اگر اپنے موقف پر اڑیل رخ اختیار کرکے با حجاب طالبات کو تعلیم گاہوں میں داخل ہونے سے روکنے کی دھمکی نہ دیتے تو تین دن تک چھٹی دینے کی نوبت نہ آتی۔ خیر جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ بغیر سوچے سمجھے آگ سے کھیلنا اور جب منہ جھلسنے لگے تو سازش کا راگ چھیڑ دینا زعفرانیوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کا مظاہرہ این آر سی کی تحریک کے وقت بھی ہوا، اور کسان تحریک کے دوران بھی دیکھنے کو ملا۔ ان لوگوں کی رعونت مزاجی ابتدا میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتی اور پھر رونے گڑگڑانے پر مجبور کردیتی ہے۔ دھرم سنسد کے وقت یہی ہوا کہ تمام تر زہر افشانی پر آر ایس ایس کے سربراہ منہ میں دہی جمائے رہے لیکن جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو اس سے ایسے اعلان برأت کیا کہ کانگریس بھی شرما جائے۔ موہن بھاگوت کی اس مخالفت نے اتراکھنڈ میں بی جے پی کے لیے دھرم سنکٹ پیدا کردیا۔

ذرائع ابلاغ میں جس دن مسکان خان کی ویڈیو چل رہی تھی اسی دن لتا منگیشکر کی موت پر پروفیسر دلیپ منڈل نے ایک ایسا ٹویٹ کردیا جس سے ہندو معاشرے کی بہت بڑی کمزوری کھل کر سامنے آگئی، اور اس کا تعلق بھی خواتین سے ہے۔ ٹویٹ میں لکھا تھا: مندروں میں جنسی استحصال کے لیے بنائی گئی دیوداسی کے رواج پر پابندی ہے پھر بھی مندروں میں دو لاکھ سے زیادہ دیوداسیاں ہیں۔ لتا منگیشکر جی کے اعزاز میں اگر سرکار دیوداسیوں کے بچوں کی خاطر مفت تعلیم کا کوئی منصوبہ بنائے تو یہ لتا جی کو سچا خراج عقیدت ہوگا، آپ سب حمایت کریں۔ اس پیغام کو پڑھ کر ٹرول آرمی نے منڈل پر گالی گلوچ کی بوچھاڑ کردی اور پوچھا کہ دیوداسی رواج کا لتا منگیشکر سے کیا تعلق؟ ان جاہلوں کو نہیں معلوم کہ لتا جی کی دادی یسو بائی رانے گوا کی دیوداسی تھیں۔ ان کے والد دینا ناتھ کو چونکہ مندر کے پجاری ہرڈیکر کا خاندانی نام استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی اس لیے وہ منگیشی گاؤں کے نام پر منگیشکر کہلائے۔ اس سماج کی ستر ہزار سے زیادہ خواتین شمالی کرناٹک کے اندر آج بھی بدترین استحصال کا شکار ہیں لیکن بی جے پی کو وہ نظر نہیں آتیں۔

ہندو سماج کا ایک مسئلہ ذات پات کی بنیاد پر نسلی امتیاز بھی ہے۔ اسی ہفتے جنوبی تامل ناڈو کے آٹھ دلت خاندانوں کے چالیس افراد نے اعلیٰ ذات کے مظالم سے تنگ آکر اسلام قبول کرلیا۔ اتفاق سے بودنائیکانور تمل ناڈو کے سابق وزیر اعلیٰ اور بی جے پی کے منظور نظر او پنیر سیلوم کا حلقہ ہے۔ نو مسلمین کا کہنا ہے کہ اونچی ذات کے ہندو مسلسل حملے کرتے ہیں۔ نچلی ذات کا حوالہ دے کر مقامی ہوٹلوں اور راستے کے کنارے چائے کی دکانوں سے چائے یا کافی نہیں پینے دیتے۔ مردوں کو مارا پیٹا اور دلت لڑکیوں کو چھیڑا جاتا ہے، ان پر نازیبا تبصرے اور اشارے کیے جاتے ہیں، اس لیے انہوں نے یہ فیصلہ کیا

ہے۔ 32 سالہ نومسلم رحیمہ نے بتایا کہ انہیں چھیڑا جاتا، مارا پیٹا جاتا، توہین کی جاتی اور اُس گلی میں چلنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی جہاں اعلیٰ ذات کے ہندو چلتے ہیں۔ ہمارے والدین اور دادا دادی نے سب کچھ برداشت کیا لیکن ہم نے فیصلہ کیا کہ بہت ہوگیا، اب ہم مسلمان ہیں اور کوئی حد بندی نہیں ہے۔

سنگھ پریوار بشمول بی جے پی اگر واقعی اپنے ہندو سماج کا خیر خواہ ہے تو اسے مسلمانوں اور اسلام کی مخالفت کر کے اس سے معمولی سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے بجائے سماجی اصلاح کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ سماجی مسائل کے علاوہ انفرادی سطح پر ہندوؤں کی نئی نسل اسلام کی مخالفت میں تو بہت شور کرتی ہے مگر اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے مذہب سے دور ہوتی جارہی ہے۔ مذہبی شعائر میں بھی ان کی دلچسپی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ پچھلی نسل تک ہندو خواتین کا روایتی لباس ساڑھی ہوا کرتا تھا۔ ساڑھی کا ایک اٹوٹ حصہ آنچل یا پلو بھی ہوتا تھا۔ نئی نسل میں اس کی جگہ شلوار قمیص نے لے لی اور پھر اس کے ساتھ اوڑھا جانے والا دوپٹہ بھی غائب ہوگیا۔ شلوار کی جگہ جینز کی پتلون لے رہی ہے اور ممکن ہے بہت جلد قمیص گھٹتے گھٹتے اسکرٹ بن جائے۔ مغرب کی مرعوبیت ہندو سماج کا ایک سنگین مسئلہ ہے جو انہیں ان کے دین دھرم سے بیگانہ کر رہا ہے۔

اس کے برعکس مسلم سماج میں دین کے حوالے سے زبردست بیداری پائی جاتی ہے۔ خواتین کی نئی نسل میں حجاب کا رجحان بڑھا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ جو مذہب بیزاری کو اپنے لیے باعثِ شان سمجھتے تھے اب دین پسندی کی جانب مائل ہیں۔ خواتین حجاب کے ساتھ مسابقت کر رہی ہیں۔ اس سے ہندو معاشرے کے اندر جذبۂ حسد کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اس کا اظہار غیظ و غضب کی صورت میں ہوتا رہتا ہے، لیکن یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ اس سے تو صورت حال اور بھی سنگین ہو جائے گی۔ بی جے پی نے جب سے حجاب کی مخالفت شروع کی ہے سماج کا وہ نام نہاد روشن خیال طبقہ جو برقع کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور درپردہ مخالفت بھی کرتا تھا اب حجاب کی حمایت پر مجبور ہوگیا ہے۔ اس طرح بی جے پی کی حماقت از خود حجاب کی بلاواسطہ حمایت میں بدل چکی ہے۔ مسلم طالبات نے اپنے پُرزور احتجاج سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ پردہ خواتین کی ترقی میں حائل تو ہرگز نہیں ہے، الٹا ان کو مضبوط اور باہمت بناتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالیہ تحریک نے پردے کے وقار میں زبردست اضافہ کیا ہے۔ بقول شاعر:

اسلام وہ پودا ہے کاٹو تو ہرا ہوگا
تم جتنا تراشو گے اتنا ہی گھنا ہوگا

●●●

(بقیہ صفحہ ۲۱ کا)

انفرادی معاملہ تو اللہ کے ذمہ ہے لیکن اس کے جو اجتماعی اثرات پڑ رہے ہیں وہ بھی قابل مواخذہ ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حدیث کے مصداق شعائر اللہ اور احکام الٰہی کی بے حرمتی پر ہمارے چہروں کے رنگ متغیر ہو جاتے لیکن آج ہم بے حسی اور بے بسی سے غیر مسلم کو ایک خالص اسلامی موضوع پر بحث کرتے دیکھ رہے ہیں۔

آج اگر مسلمان بہنیں حجاب کے تئیں ہچکچاہٹ کو اتار پھینکیں، اس اسلامی حکم پر ثابت قدمی دکھائیں، اور مزید اس کی طرف راغب ہوں تو عجب نہیں کہ اللہ کی تائید حاصل ہو جائے۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ مسلم لڑکیوں کو جاہل بنانے کی سازش ہے لیکن یاد رکھیے ڈگریوں کے دروازے آپ کے لئے بند ہو سکتے ہیں علم کے نہیں! علم کے حصول کے لیے ان اداروں کا پابند ہونا ضروری نہیں۔ اور جہاں بات حجاب کی آجائے وہی حیا اور ایمان کی بھی آجاتی ہے۔ ایمان تو پھر ہمیں جان سے پیارا ہے کہ حقیقی کامیابی اسی ایمان کے ساتھ مشروط ہے نا کہ ان ڈگریوں کے۔

مسلمانوں کو ان تنصروا اللہ ینصرکم کی قرآنی شرط بھی یاد رکھنی چاہیے۔ کفر کے مقابلہ اسلام کے اس واضح تصادم کو سیکولرازم اور دستور کے پردوں میں لپیٹنے کی کوشش بے معنی ہے۔ شعائر اللہ اور امت کی حفاظت کی واحد یقینی صورت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق واضح ہے:

”بے شک خلافت ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔“ (مسلم)

●●●

مسلمانوں کی بقا و سلامتی کی دو بنیادیں
دین اور مزاحمت

شاہنواز فاروقی

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

مسلمانوں کی ہزاروں سال پر محیط تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس تاریخ میں مسلمانوں نے اپنی بقا اور سلامتی کو صرف دو چیزوں کے ذریعے یقینی بنایا ہے۔ مسلمانوں کی بقا و سلامتی کی ایک ضمانت ان کی حق پرستی یا دین سے محبت ہے۔ مسلمانوں کی بقا و سلامتی کی دوسری ضمانت باطل کی مزاحمت ہے۔ یہ مزاحمت مسلمانوں نے اپنے خارج میں بھی کی ہے اور باطن میں بھی۔

سیدنا ابراہیمؑ ایک فرد تھے۔ ان کے پاس نہ حکومت تھی، نہ ریاست تھی، نہ فوج تھی، نہ کوئی قوم تھی، نہ کوئی جماعت تھی۔ سیدنا ابراہیمؑ اور نمرود کے درمیان ظاہری اعتبار سے طاقت کا ایک ہولناک عدم توازن موجود تھا۔ نمرود بادشاہِ وقت تھا۔ اُس کے پاس ریاست تھی، فوج تھی، یہاں تک کہ اُس کی قوم اسے پوج رہی تھی۔ مگر سیدنا ابراہیمؑ نے طاقت کے اس ہولناک عدم توازن کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ وہ نمرود کے سامنے پہنچے اور اُس کو چیلنج کیا۔ اس کا نتیجہ فوری طور پر سامنے آیا۔ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلا ڈالنے کی سازش کی۔ یہ سیدنا ابراہیمؑ کے لیے ایک بڑا امتحان تھا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ اس امتحان میں سرخرو ہوئے۔ اللہ نے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا۔ آگ، جو جلاتی ہے، وہ اللہ کے حکم سے ابراہیمؑ کے لیے سلامتی میں ڈھل گئی اور حق باطل پر غالب آگیا۔

حضرت موسیٰؑ کے سامنے فرعون کا چیلنج تھا۔ فرعون بادشاہِ وقت تھا۔ اس کے پاس حکومت تھی، ریاست تھی، فوج تھی، خزانے تھے۔ اُس کے پاس ایک قوم تھی جو پوری طرح اُس کے سامنے سرنگوں تھی۔ اس کے برعکس سیدنا موسیٰؑ صرف ایک فرد تھے۔ ان کے پاس نہ ریاست تھی، نہ فوج تھی، نہ خزانہ تھا، نہ کوئی بڑا مزاحمتی گروہ تھا۔ وہ تھے اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ تھے۔ مگر طاقت کے اس عدم توازن کے باوجود سیدنا موسیٰؑ کو بھی حکم ہوا کہ جاؤ اور فرعون کو چیلنج کرو۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کے جواب میں خدا سے یہ نہیں کہا کہ پہلے مجھے ریاست عطا کی جائے، ایک فوج دی جائے، پھر میں فرعون کو چیلنج کروں گا۔ وہ اپنے بھائی کے ہمراہ فرعون کے پاس پہنچے اور اُسے حق کی دعوت دی اور اُس کے باطل کو چیلنج کیا۔ فرعون اس صورتِ حال میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا دشمن ہوگیا اور اُس نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فنا کرنے کی سازش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایک معجزے کے ذریعے حضرت ابراہیمؑ کو بچایا تھا، اسی طرح ایک معجزے کے ذریعے حضرت موسیٰؑ

اوران کی قوم کو بچالیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کی پوری مقدس جدوجہد بھی ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ کے پاس بھی نہ کوئی ریاست تھی، نہ کوئی حکومت تھی، نہ کوئی فوج تھی۔ نہ آپؐ کے پاس مال تھا، نہ کوئی قوم تھی۔ اس کے برعکس کفار اور مشرکین قوی تھے۔ اُن کے پاس سیاسی طاقت تھی، معاشی طاقت تھی، عسکری طاقت تھی، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپؐ جس حال میں ہیں اسی حال میں کفار اور مشرکین کے عقاید کو چیلنج کریں، اور آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کہنے والے آپؐ کی جان کے درپے ہوگئے۔ کشمکش میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جب کفار اور مشرکین نے آپؐ کو مفاہمت کی پیشکش کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے خدا کو برا نہیں کہیں گے، آپ ہمارے خداؤں کو برا نہ کہیں۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل کے ساتھ مفاہمت سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ اہلِ مکہ آپؐ کے جانی دشمن ہوگئے، اور اگر اللہ تعالیٰ ایک معجزے کے ذریعے آپؐ کو مکہ سے نکال کر مدینہ نہ لے جاتا تو کفار اور مشرکین نے آپؐ کو مار ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

سیرتِ طیبہ کا ایک اور پہلو غزوۂ بدر ہے۔ غزوۂ بدر طاقت کے ہولناک عدم توازن کی ایک بہت ہی بڑی مثال ہے۔ ایک طرف 313 افراد تھے۔ ان کے پاس ایک گھوڑا، چار پانچ اونٹ، چند تلواریں اور چند زرہیں تھیں۔ دوسری طرف ایک ہزار کا لشکرِ جرار تھا۔ اس کے پاس سیکڑوں گھوڑے اور سیکڑوں اونٹ تھے۔ اس کے پاس سیکڑوں تلواریں، ڈھالیں اور نیزے تھے۔ اس معرکے میں بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہ تھا۔ سارے مادی اسباب مسلمانوں کے خلاف تھے، مگر مسلمانوں کا لشکر راضی بہ رضا تھا۔ صورتِ حال اتنی سنگین تھی کہ رسول اکرمؐ پوری رات عبادت میں مشغول رہے اور مسلمانوں کی کامیابی کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ کو رسول اکرمؐ سے کہنا پڑا کہ اب بس کیجیے۔ دراصل اس صورتِ حال میں مسلمانوں کے لیے آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا تھا کہ کون مادی اسباب پر انحصار کرتا ہے اور کون اللہ کو اپنے لیے کافی سمجھتا ہے۔ اور بدری صحابہ نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف اللہ پر انحصار کرتے ہیں اور باطل کی مزاحمت کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ مسلمان اس آزمائش میں پورے اترے۔ تب رسول اکرمؐ کو یہ خوش خبری سنائی گئی کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے ثابت ہے کہ آپؐ کی دس سال کی مدنی زندگی میں 60 سے زیادہ معرکے برپا ہوئے، یہاں تک کہ جزیرہ نماعرب سے باطل فنا ہوگیا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتوں سے ثابت ہے کہ تینوں انبیاء کی معجزات کے ذریعے مدد کی گئی، مگر یہ مدد اُس وقت آئی جب انبیاء اور مرسلین نے حق پرستی اور باطل کی مزاحمت کے تمام تقاضے پورے کیے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے وقت کی دو سپر پاورز کو شکست دی اور انہیں منہ کے بل گرا دیا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کے زمانے تک آتے آتے مسلمان قوی ہوگئے تھے، مگر قیصر وکسریٰ کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ مگر مسلمانوں نے وقت کی دو سپر پاورز کے مقابلے میں بھی دین سے وابستگی، محبت اور باطل کی مزاحمت کے تقاضے نبھا کر دکھا دیے۔

عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت جیسا زمانہ تو مسلمانوں کو پھر دوبارہ نصیب نہ ہوا، مگر عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت کی روشنی اور برکت ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے بہت کم قوت کے ساتھ بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ طارق بن زیاد نے اسپین کا وسیع علاقہ فتح کیا تو اُس کے پاس صرف 17 ہزار فوجی تھے، جبکہ سامنے ایک لاکھ نفوس کا لشکرِ جرار کھڑا تھا۔ طاقت کا عدم توازن اتنا زیادہ تھا کہ طارق بن زیاد کا لشکر جن کشتیوں پر سوار ہو کر اسپین آیا تھا، طارق بن زیاد نے وہ کشتیاں جلوا دیں، تاکہ کسی مسلمان سپاہی کے ذہن میں میدانِ جنگ سے بھاگ کر جان بچانے کا خیال ہی نہ آئے۔ مسلمانوں کی فوج اگرچہ 17 ہزار افراد پر مشتمل تھی، مگر وہ دین کی محبت اور باطل کی مزاحمت کے جذبے سے سرشار تھی۔ چنانچہ 17 ہزار کا لشکر بالآخر ایک لاکھ کے لشکر پر غالب آیا اور مسلمانوں نے یورپ میں ایک ایسی مسلم ریاست کی بنیاد رکھی جو 600 سال تک موجود رہی۔ محمد بن قاسم سندھ فتح کرنے پہنچے تو اُن کے پاس ایک روایت کے مطابق 11 ہزار، اور دوسری روایت کے مطابق 18 ہزار فوجی تھے۔ دوسری جانب راجا داہر ایک لاکھ

افراد کی فوج لیے کھڑا تھا، لیکن محمد بن قاسم کا لشکر بالآخر ایک لاکھ کے لشکر کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔ بابر نے صرف 8 ہزار فوجیوں کے ساتھ ہندوستان فتح کیا۔ اس کا مقابلہ بھی ایک لاکھ کے لشکر سے ہوا۔ ابتدا میں بابر کی کئی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ تب بابر کو اپنی شراب نوشی کا خیال آیا اور اس نے خود سے عہد کیا کہ اب وہ کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس کے بعد بابر کی 8 ہزار فوجیوں پر مشتمل فوج ایک لاکھ کے لشکر پر غالب آگئی اور برصغیر میں مغلیہ سلطنت کا آغاز ہوا۔

بیسویں اور اکیسویں صدی میں افغانستان میں مٹھی بھر مجاہدین نے وقت کی دو سپر پاورز یعنی سوویت یونین اور امریکہ کو شکست دی ہے۔ سوویت یونین کی تاریخ یہ تھی کہ وہ جہاں جاتا تھا وہاں سے کبھی واپس نہیں آتا تھا، مگر مٹھی بھر مجاہدین نے سوویت یونین کو افغانستان میں اتنی بری طرح شکست دی کہ وہ نہ اپنا جغرافیہ بچا سکا، نہ اپنے نظریے کو باقی رکھ سکا۔ لیکن سوویت یونین کی شکست کے بعد اسلام اور مسلمان دشمن قوتوں نے اس خیال کو آگے بڑھایا کہ افغانستان میں مسلمانوں نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ مسلمانوں اور اسلام کی کامیابیاں نہیں ہیں، بلکہ یہ تو امریکہ اور یورپ کی کامیابیاں ہیں۔ مجاہدین نے امریکی اسلحے اور امریکی سرمائے سے سوویت یونین کو ہرایا ہے۔ چنانچہ جب امریکہ افغانستان میں داخل ہوا تو کروڑوں لوگوں کا خیال تھا کہ اب افغانستان میں وہی ہوگا جو امریکہ اور اُس کے 48 اتحادی چاہیں گے۔ مگر مجاہدین کے شوقِ شہادت اور مزاحمت نے 20 سال میں امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کو بدترین شکست سے دوچار کیا۔ امریکہ نے افغانستان کی جارحیت پر دو ہزار ارب ڈالر سے زیادہ صرف کیے، دو ہزار فوجی گنوائے، 12 ہزار فوجیوں کو زخمی کرایا، اور اُسے بالآخر افغانستان اُنھی طالبان کے حوالے کرنا پڑا جن کو وہ وحشی اور درندے کہا کرتا تھا۔

مسلمانوں کی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں نے فکری محاذ پر بھی حق پرستی اور مزاحمت کے جذبے سے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے۔ امام غزالیؒ کے زمانے میں یونانی فلسفہ مسلم اشرافیہ کے ایک بڑے حصے کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ ابن سینا اور فارابی جیسے مسلم مفکرین میں بے عقیدگی پھیل گئی تھی۔ ان کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ خدا کلیات کا علم تو رکھتا ہے مگر جزیات کا علم نہیں رکھتا۔ ان کا ایک اور خلافِ اسلام عقیدہ یہ تھا کہ عالم قدیم ہے، حالانکہ مسلمانوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ قدیم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، عالم تو صرف خدا کی ایک تخلیق ہے۔ ایک وقت تھا کہ عالم کا کوئی وجود نہ تھا، اور ایک وقت آئے گا کہ عالم پھر غیر موجود ہوگا، البتہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس صورتِ حال میں امام غزالیؒ نے تن تنہا یونانی فلسفے کا رد لکھا اور اسے اتنا بے توقیر کردیا کہ یہ فلسفہ پھر کبھی مسلم دنیا میں سر نہ اٹھا سکا۔ غزالی یونانی فلسفے کا رد لکھ کر اس کا زور نہ توڑتے تو اسلام کا بھی وہی حشر ہوتا جو فلسفے کے ہاتھوں یورپ میں عیسائیت کا ہوا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو غزالی نے تن تنہا وہ کام کیا جو پوری امت ہی انجام دے سکتی تھی۔ ابن رشد نے غزالی کے 70 سال بعد غزالی کی کتاب ’’تہافت الفلاسفہ‘‘ کا جواب لکھا، مگر یہ جواب مقبول نہ ہوسکا اور ابن رشد، امام غزالی کی فتح کو شکست میں نہ بدل سکے۔

برصغیر کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ مغل بادشاہ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے بعض ایسے اقدامات کیے جو خلافِ اسلام تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ دربار میں سجدۂ تعظیمی رائج تھا۔ دربار میں آنے والے ہر شخص کو بادشاہ کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے گائے کے ذبیحے پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ یہ انحرافات جہانگیر کے زمانے میں بھی موجود تھے۔ یہ عہد مجدد الف ثانیؒ کا عہد تھا۔ جیسا کہ خود مجدد صاحب نے فرمایا ہے کہ میں فاروقی ہوں اور میری رگِ فاروقیت خلافِ اسلام کام دیکھ کر بھڑک اٹھتی ہے۔ چنانچہ مغل دربار کے انحرافات پر مجدد الف ثانی برہم ہوگئے اور انہوں نے ایک فرد ہونے کے باوجود بادشاہِ وقت کو چیلنج کردیا۔ بادشاہِ وقت نے پہلے تو مجدد الف ثانی کو قید کیا، مگر پھر ان کی بعض کرامات دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا اور اس نے مجدد الف ثانی کے مطالبات کو تسلیم کرلیا۔ اس طرح ایک صوفی اور ایک درویش نے ریاست کو شکست دے ڈالی۔

برصغیر پر انگریزوں کا تسلط ایسا تھا کہ اس نے سرسید اور اُن جیسے مسلمانوں کے ہوش و حواس ہی چھین لیے۔ سرسید انگریزوں کے غلام ہونے سے پہلے آپ اور میری طرح کے عام مسلمان

تھے۔ اُن کے عقاید بھی وہی تھے جو میرے اور آپ کے عقاید ہیں۔ لیکن سرسید نے نہ صرف یہ کہ غلامی کو قبول کرلیا بلکہ اسے اللہ کی رحمت قرار دے ڈالا۔ انہوں نے غلامی کی نفسیات کے تحت قرآن کا انکار کردیا، حدیث کا انکار کردیا۔ انہوں نے تفسیر کی پوری روایت پر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ انہوں نے اجماع کے اصول کو ماننے سے انکار کردیا۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اردو، فارسی اور عربی میں کیا رکھا ہے! سیکھنی ہے تو انگریزی اور فرانسیسی سیکھو۔ غلامی کی اس فضا میں اکبر الہ آبادی کی دینی حمیت اور مزاحمتی جذبے نے ایسی شاعری کروائی جو کسی بھی طرح ادبی معجزے سے کم نہیں ہے۔ اکبر کی اس شاعری کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ مسلمان جو جنگ میدانِ جنگ میں ہار گئے تھے اکبر نے اپنی شاعری میں جیت کر دکھادی۔ اکبر کی مزاحمتی شاعری کے کچھ نمونے ملاحظہ کیجیے:

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اُڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

اکبر کی عظمت یہ ہے کہ اقبال نے اکبر کے انتقال پر اُن کے بیٹے کے نام تار میں لکھا کہ پورے ایشیا میں آپ کے والد کے جیسا کوئی شاعر موجود نہیں۔

اقبال کا زمانہ خود انگریزوں کے غلبے کا زمانہ ہے، مگر اقبال کی مذہبیت اور جذبۂ مزاحمت نے اقبال سے وہ شاعری کروائی جس نے لاکھوں لوگوں کے دلوں کو گرما دیا، اور لاکھوں لوگوں کو مغرب کی مزاحمت کی طرف متوجہ کیا۔ اقبال نے اپنی ایک نظم میں فرمایا:

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہو گا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خار زار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

سید مودودیؒ نے بھی عہدِ غلامی میں آنکھ کھولی، مگر ان کا اسلامی تصور اور ان کی قوتِ مزاحمت اتنی قوی تھی کہ انہوں نے غلامی میں آزادی کا خواب دیکھا۔ جس زمانے میں مولانا نے اپنے فکری کام کی ابتدا کی اُس زمانے میں مغرب کے دانش ور کہا کرتے تھے کہ اسلام دنیا کو جو کچھ دے سکتا تھا دے چکا، اب اس کے پاس دنیا کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مگر سید مودودیؒ نے اسی زمانے میں اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا تصور خلق کیا۔ جس زمانے میں پوری مسلم دنیا مغربی طاقتوں کی غلام تھی، سید مودودیؒ نے مسلمانوں سے کہا کہ قرآن وسنت کی دعوت لے کر اٹھو اور پوری دنیا پر چھا جاؤ۔ جس زمانے میں یہ خیال عام تھا کہ جہاد کا زمانہ گزر چکا ہے اُس زمانے میں سید مودودیؒ نے جہاد پر معرکہ آرا کتاب لکھی۔ جس زمانے میں کمیونزم غالب تھا اور لبرل ازم فاتح تھا اُس زمانے میں سید مودودیؒ نے مسلمانوں سے کہا کہ ایک وقت آئے گا جب کمیونزم روس کے دارالحکومت ماسکو میں سمٹ جائے گا، اور ایک وقت آئے گا کہ سیکولرازم اور لبرل ازم کو لندن اور پیرس میں پناہ نہیں ملے گی۔ سید مودودیؒ کی اس فکری معرکہ آرائی نے مسلم دنیا میں کروڑوں انسانوں کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔

یہ ایک سامنے کی بات ہے کہ بھارت میں 20 کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کو دیوار سے لگا دیا گیا ہے۔ انتہا پسند ہندوؤں نے بھارت کے مسلمانوں کو سیاسی طور پر بے وزن کردیا ہے۔ ہندو حکمرانوں نے مسلمانوں کو معاشی طور پر بھارت کا نیا شودر بنا کر کھڑا کردیا ہے۔ بھارت کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اچھی نہیں۔ بھارت کے مسلمانوں کی نئی نسلوں سے ان کی زبان اردو چھین لی گئی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ بھارت کے مسلمان اب اپنی کوئی نئی تقدیر خلق نہیں کرسکتے، لیکن کرناٹک میں ایک مسلم طالبہ مسکان نے جس طرح اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ہندو انتہا پسندوں کا مقابلہ کیا اُس سے ظاہر ہوگیا کہ بھارت کے مسلمانوں کی دینی حمیت اور مزاحمتی جذبہ کمزور پڑا ہے، فنا نہیں ہوا۔ بھارت کے مسلمان اگر اپنی تاریخ کو دیکھیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دین سے وابستگی اور مزاحمت کے جذبے نے ہمیشہ مسلمانوں کے ناممکن کو ممکن بنایا ہے۔ بھارت کے مسلمان دو، چار، دس نہیں بلکہ وہ 20 کروڑ سے زیادہ ہیں۔ ہندو اکثریت انہیں ڈرا سکتی ہے، ہڑپ نہیں کرسکتی۔ بھارت کے مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ مزاحمت وہ قوت ہے جو بند دروازے کو کھول دیتی ہے، اور دروازہ موجود نہ ہو تو دروازہ خلق کردیتی ہے۔

●●●

رمضان کی آمد.....مرحبا!

احمد اسامہ جعفری

مکہ مکرمہ جہاں پر جنابِ حضرت ابراهیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑا وہاں پر ان کی نسل سے تعلق رکھنے والی قوم قریش میں جناب عبد اللہ اور بی بی آمنہ کے گھر فخرِ کائنات حضور اکرمؐ تشریف لائے۔ آپ کا بچپن اسی مکہ کی گلی کوچوں میں گذرا۔ چالیس سال کی عمر تک اپنے کردار وعمل سے جنابِ محمد بن عبد اللہ نے لوگوں پر انسانیت کی ارفع مثال پیش کی۔ سچائی، امانت داری، پاکبازی، حیاء اور رحم وکرم کا منفرد کردار پیش کرتے رہنے کے بعد رمضان المبارک کے مہینہ میں یہی جناب محمد بن عبد اللہ کو اللہ تعالیٰ نے محمد الرسول اللہ کے نام سے مشہور کرنے کا اعلان کر دیا۔ اسی ماہ رمضان میں پہلی وحی کے نزول سے رسالت کا آغاز ہوا۔ اللہ کے رسولؐ نے مکہ میں ۱۳ سال تک مسلسل جانفشانی اور جد و جہد کے ذریعہ ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے انگاروں پر لیٹ کے اور دوسری طرح کی اذیتوں کو برداشت کر کے اپنے دیکھنے والوں پر دین کی حجت کو تمام کرنے کی سعی وجہد کی۔ اسی دوران بہت سے جانثارانِ محمدؐ نے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ بالآخر اس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ونصرت سے نوازا۔ چنانچہ طائف کے اندر رسول کی جانب سے عملاً یہ اعلان کہ اللہ کے بندے اللہ کا کام پورا کرنے کی خاطر سرتاپا لہولہان تو ہو سکتے ہیں لیکن اس کام سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ علاوہ ازیں محمد الرسولؐ اللہ پر ایمان لانے والوں نے بھی یہ ثابت کیا کہ وہ بھوکے رہ سکتے ہیں، قید ہو سکتے ہیں، اپنی جانیں قربان کر سکتے ہیں لیکن خدا اور رسول کا ساتھ دیکر وہ جنت کے حصول کے لئے سرگرداں رہیں گے۔ یقیناً یہی وہ وجہ ہوگی کہ اللہ کی رحمت اور نوازش سے اس کے بعد ہجرت کے دروازے کھلے اور ایک ایسا کارنامہ دنیا نے دیکھا جس کو اگر کوئی معجزہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مکہ سے محمد الرسولؐ اللہ دشمنوں کے نرغے سے اللہ کی مدد سے نکلے اور مدینہ میں جا کر اسلام کی پہلی ریاست کے سربراہ بن گئے اور اسلام و مسلمان ایک مغلوب حیثیت سے نکل کر ایک غالب حقیقت بن گئے۔

مدینہ پہنچ کر حضورِ اکرمؐ اور آپ کے اصحاب مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے کہ ایک دن عین نماز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ اپنے قبلے کو مسجد حرام کی طرف کر دو۔ اس تحویل قبلہ کی آزمائش کے بعد ہجرت کے دوسرے سال ہی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے۔۔۔تاکہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔۔۔رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔۔۔اور اے نبیؐ میرے بندے جب تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو شاید کہ وہ راہِ راست پالیں" (البقرہ ۱۸۳۔۱۸۶)

اس حکم کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینے کا انتخاب کر کے اس کو وہ فضیلت بخشی جس کو باقی مہینے شاید نہ پاسکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے کو اس کتاب سے نسبت کی وجہ سے وہ اہمیت بخشی جو

اس سے پہلے کی قوموں پر روزے فرض کرکے بخشی گئی تھی ۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں روزہ یا ورت یا فاسٹنگ کا کسی نہ کسی شکل میں کوئی نہ کوئی تصور ضرور موجود ہے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کی فرضیت کو ایمان والوں سے بھی جوڑا ہے گویا بھوکا رہنا یا روزہ رکھنا اللہ کو ایمان والوں ہی سے مطلوب ہے اور اگر کوئی شخص بغیر ایمان کے کتنے ہی روزے رکھنے والا ہو، وہ خدا تعالیٰ سے اپنے روزوں کے بدلے کوئی تعلق نہیں قائم کر سکتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ یہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کا نازل کرنے والا بھی خود وہی رب ہے جس نے انسانوں کو بھی پیدا کیا اور انہی انسانوں کے لئے ایک ہدایت کا سرچشمہ یہ قرآن ہے ۔ اگر یہ انسان سیدھا راستہ دیکھنا چاہتے ہیں اور صحیح وغلط کے درمیان تمیز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں قرآن کے معیار پر ہر مسئلہ کو پرکھنا ہوگا۔ اس روشنی میں یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ اپنی زندگی میں غلطیاں کرنے سے بچنا چاہتے ہیں تو ایمان والے اس کتاب سے جڑیں اور اس کے شکر کے طور پر رمضان کے مہینے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی غلامی کا ثبوت صبح سے شام تک بھوکا رہ کر اور اپنے جسم اور روح کو بری عادتوں اور خصلتوں سے بچا کر دیں ۔ یہاں یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ چونکہ اس مہینے کا تعلق قرآن کریم سے ہے اس لئے جو شخص اس مہینے کو پائے وہ اس مہینے میں قرآن کریم سے اپنے تعلق کو اور زیادہ مضبوط کرنے پر توجہ دے اور اس بات کی کوشش کرے کہ اس کا تعلق اس کتاب کے ساتھ کوئی رسمی تعلق نہ ہو بلکہ ایک ایسا تعلق ہو جیسا ایک انسانی جسم کا پانی اور آکسیجن سے ہوتا ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور حقیقت بیان کی کہ اگر کوئی انسان یہ سوچے کہ وہ اپنے رب سے بہت دور ہے تو اسے یہ بتایا جائے کہ اس کا رب اس سے بہت قریب ہے ۔ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ بندہ اپنے رب کو پکارے ۔ جب بھی وہ اپنے رب کو پکارے گا تو اس کا رب اسے تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی پکار سنے گا اور اس کا جواب بھی دے گا۔ گویا اس مہینے میں یہ سنہرا موقع انسانوں کے رب نے انسانوں کو دیا ہے کہ وہ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہیں اور اسی پر ایمان لائیں اور اس سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں شاید کہ وہ سیدھے راستے کو پا جائیں جس کے نتیجہ میں وہ جنتوں کے مستحق قرار پا سکیں ۔ یہ رمضان کا مہینہ ایسے بے شمار مواقع فراہم کرتا ہے کہ انسان اپنے رب سے قریب در قریب ہوتا چلا جائے ۔

رمضان اور روزے کے متعلق انہی آیات کی تفسیر جو کہ مشہور مصری مفسر جناب سید قطب شہیدؒ کی تحریر کردہ فی ظلال القرآن میں ہے، اس کے اردو ترجمہ میں مولانا سید حامد علی صاحبؒ ایک ضمنی حاشیہ میں رقم طراز ہیں کہ ”شریعت اسلامی کے بیان کا آغاز جان اور مال کے تحفظ کے احکام سے کیا گیا، اس کے فوراً بعد روح اور خود انسانیت کے تحفظ وارتقاء کا سامان - روزہ - فراہم کیا گیا! یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جان ومال، روح سب کے تحفظ کا دارومدار تقویٰ پر ہے اور اس کا سب سے مؤثر ذریعہ روزہ ہے ۔“ (صفحہ ۴۶۲)

خود جناب سید قطب شہیدؒ اسی فی ظلال القرآن میں تحریر کرتے ہیں کہ:

”روزہ ارادے کی تربیت، قوت برداشت کی تقویت اور راحت وآرام کے مقابلہ میں اللہ کی عبادت کو ترجیح دینے کے مقصد سے ہے، اور یہ سب امور اسلامی تربیت میں مطلوب ہیں ۔“

اس رمضان کے مہینہ کا ہمیں پورے جوش وخروش اور خوشی کے ساتھ استقبال کرنا چاہئے اور اپنی تربیت، اپنے رب کی غلامی اور اس غلامی کے لئے صبر، قوت برداشت اور قوتِ ارادی کو تقویت پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ اسی انداز سے جب ہم اپنی تربیت کرتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھ آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سب سے زیادہ محبوب بندوں کو جس سال پہلی مرتبہ یہ حکم دیا کہ وہ بھوکے رہیں اسی سال سولہ دن بھوکا رہنے پر ان کو صحیح اور غلط، حق و باطل کے بیچ پہلے اور فیصلہ کن معرکے کا حکم سنا دیا ۔ یہ رمضان کے روزوں سے اپنی تربیت اور مندرجہ بالا صفات سے آراستہ ہونے کی کوشش کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک جماعت جو بے سروسامانی کی حالت میں تھی وہ اللہ کی مدد سے ایک ایسے بڑے گروہ کے اوپر غالب آگئی جو ہر ساز وسامان سے آراستہ تھا ۔ زمین نے اس روز یہ دیکھ لیا کہ ایک جماعت نے سولہ دن اپنے آپ کو ایمان کے ساتھ ان صفات سے آراستہ کرکے سترہویں روز ایک جھٹکے میں پوری دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ اسلام اور خدا کا دین اب مزید مغلوب ہو کر رہنے والا نہیں ہے ۔

اسی تربیت اور تقویت سے آراستہ ہونے کا ایک اور نتیجہ اسی ماہ مبارک رمضان میں کچھ سالوں

بعد دوبارہ دکھائی دیا جب رسولِ خدا حضرت محمدؐ نے اپنی جماعت کے ساتھ سن ۸ ہجری میں مکہ پر چڑھائی کی۔ رمضان کے مہینے کی ۲۱ تاریخ کو رسولؐ خدا نے مکہ کو فتح کیا اور پوری دنیا کو تسخیر کرنے کا عمل آپ کے جانثاروں نے شروع کر دیا۔ اس دن خطہ عرب میں واقعی حق حق ہوگیا اور باطل باطل ہو کر اس دنیا سے مٹنے کے درپے ہوگیا۔

یہ رمضان کی سعی و جہد اور اللہ کی عبادت کے ذریعہ تقویٰ کے حصول ہی سے ممکن ہونے والا ایک ایسا عمل تھا جس کے لئے آج تک یہ امت صرف ترستی ہی رہی ہے۔ اللہ کے دین کو پوری دنیا کے لئے اگر رحمت تصور کیا جاتا ہے تو اس کی رحمت کو لوگوں کے سامنے عیاں کرنا بھی ضروری ہے اور وہ اپنی ذات اور اپنے کردار اور اپنے عمل کے ذریعہ سے ہر دم کرنا ہوگا اس مقصد کے لئے بہترین اور سب سے اہم ذریعہ رمضان کے روزے ہیں۔ اس رمضان کے روزوں میں ہمیں اپنی تربیت اور اپنے تزکیہ پر فوکس کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں باب نمبر ۷۴ میں تحریر کرتے ہیں:

"لیکن طبیعت بغاوت کرتی ہے، کبھی آزادانہ رہنے کی کوشش کرتی ہے اور کبھی احکام عقلی کی تابع ہو جاتی ہے اس واسطے اس شخص کو مشاق کے لئے محنت کے کام-روزہ- جیسے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔"

روزے کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا منظور نعمانیؒ اپنی کتاب 'اسلام کیا ہے' کے چوتھے سبق میں لکھتے ہیں "روزہ انسانوں کو دوسرے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ جب جی چاہا کھا لیا جب جی میں آیا پی لیا۔۔۔ یہ شان حیوانوں کی ہے اور کبھی نا کھانا، کبھی نا پینا۔۔۔ یہ شان فرشتوں کی ہے پس روزہ رکھ کر انسان دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور فرشتوں سے ایک طرح کی مناسبت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔"

یہ سب باتیں اگر سمجھ میں آجائیں تو ہم اس رمضان میں اپنی باطنی تربیت اور اپنی ظاہری قوت دونوں میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں دین کی رو سے مطلوب بھی ہیں۔ تزکیہ اور تربیت اور صحت وقوت ان دونوں کا ساتھ ہی مومن کو بلندی کی طرف گامزن کرتا ہے۔

مولانا مودودیؒ اپنی کتاب 'دینیات' کے حصہ 'روزہ' میں تحریر کرتے ہیں "اس کے بے شمار دوسرے فائدے بھی ہیں۔ ساری اسلامی آبادی میں پورا ایک مہینہ پاکیزگی کا مہینہ ہوتا ہے۔ ساری فضاء پر ایمان اور خوفِ خدا اور اطاعت احکام اور پاکیزگی اخلاق اور حسنِ عمل چھا جاتا ہے۔ اس فضاء میں برائیاں دب جاتی ہیں اور نیکیاں ابھرتی ہیں۔ اچھے لوگ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور برے لوگ بدی کے کام کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ امیروں میں غریبوں کی امداد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی راہ میں مال صرف کیا جاتا ہے۔ سارے مسلمان ایک حال میں ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک حال میں ہونا ان کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ ہم سب ایک جماعت ہیں۔ ان میں برادری، ہمدردی اور باہمی اتحاد پیدا کرنے کے لئے یہ ایک کارگر نسخہ ہے۔"

مندرجہ بالا سطور سے رمضان المبارک کی اہمیت اور ضرورت پر خاطر خواہ روشنی پڑ گئی ہے۔ اب چند سطور میں ان ذرائع پر غور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کے ذریعہ ہم رمضان المبارک سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

(۱) حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔ اس روایت کی اہمیت اس بات سے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کو تمام کتب صحاح میں بے شمار حوالوں سے نقل کیا گیا۔

(۲) رمضان المبارک کے متعلق ایک مشہور بات جو ہر خاص وعام کو معلوم ہے اسے ہمیں اچھے سے یاد رکھنا چاہئے کہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت ہے۔ اس عشرہ میں ہمیں اپنے مالک کو اتنا زیادہ خوش کرنے کی فکر و کوشش کرنی ہے کہ اس کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو۔ دوسرا عشرہ مغفرت کا عشرہ ہے اور ہمیں اتنی زیادہ سعی و جہد کرنی ہے کہ ہم اس کی مغفرت کے مستحق قرار پا سکیں۔ تیسرا عشرہ جہنم سے نجات کا عشرہ ہے جس میں ہمیں اپنے رب کو اتنا راضی کرنا ہے کہ وہ ہمیں جہنم سے نجات کا پروانہ بخش دے۔ اگر ہم اس فارمولہ کے مطابق اپنے آپ کو کامیاب کر لیں تب یقیناً ہم بعد رمضان عید الفطر میں اللہ کے مہمان حقیقی معنوں میں قرار پا سکیں گے۔

(۳) چونکہ اس رمضان کا تعلق قرآن کے ساتھ خاص ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ قرآن پاک سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے پر توجہ دینی چاہئے۔ اس تعلق سے ہمیں تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے اور حتی الوسع یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اگر ہم عربی

نہیں جانتے تو کسی نہ کسی ترجمے کو بھی پڑھیں تاکہ ہمیں یہ پتا رہے کہ ہم نے عربی میں کیا پڑھا ہے اور ہمارے رب نے ہم سے کیا کہا ہے۔

(۴) رمضان ہمیں محتاجوں اور ضرورتمندوں کے درد کو سمجھنے کا عملی نسخہ دیتا ہے اس لئے ان کی مجبوریوں کو سمجھ کر یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان کے کام آئیں۔ زیادہ سے زیادہ ان پر خرچ کریں۔ وہ مال جو ہمارے رب نے ہمیں دیا ہے اس میں ان کا بھی حصہ ہے اور اس حصہ کو زیادہ سے زیادہ ان تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ صحیح بخاری اور نسائی میں رسولؐ اللہ کے متعلق یہ روایت موجود ہے کہ آپؐ رمضان میں بہت زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔

(۵) رمضان کا تعلق سیرت رسولؐ میں واضح طور پر اللہ کے دین کی کبریائی سے بھی ہے۔ ایسے میں ہمیں خود کو اور اپنے مال کو خدا کے دین کی سربلندی کے راستوں میں بھی زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی رب سے دعا بھی کرنی چاہئے۔

(۶) رمضان میں ہمیں یہ بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم مکمل طور پر برے کاموں اور دیگر خدا کی نافرمانیوں سے بچیں۔ اس ضمن میں صحیح بخاری میں وارد اللہ کے رسولؐ کی یہ مشہور حدیث ہمیں یاد رکھنی چاہئے کہ جو شخص روزے میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے روزے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جو شخص جھوٹ بات، جہالت اور جہالت پر چلنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے اس کھانے پینے چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔

(۷) رمضان کی اہمیت کو بھی ہمیں اپنے اور اپنے ملنے والوں کے ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے اور لوگوں کو یہ احساس دلانا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ کتنا بڑا عمل ہے۔ اس تعلق سے امام نسائی نے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے رسولؐ خدا سے دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا 'روزہ۔ اس کے برابر کوئی دوسرا عمل نہیں'۔

(۸) رمضان میں جو اہم تاریخیں ہیں ان کو بھی یاد رکھنا چاہئے اور ان کے متعلق عوام الناس تک ان کے پیغام کو پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً یوم الفتح، یوم الفرقان وغیرہ۔

(۹) ماہِ رمضان میں قیام اللیل کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ وہ نماز ہے جو فرض نمازوں کے بعد خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(۱۰) رمضان کے آخری عشرے میں کوشش کرنی چاہئے کہ اعتکاف کا اہتمام کریں۔

(۱۱) آخری عشرے کی طاق راتوں میں کوئی رات لیلۃ القدر بھی ہے جس کے متعلق قرآن پاک نے واضح انداز میں فرمایا کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس روز فرشتے نازل ہوتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس رات میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اس لئے اس رات کو ہمیں خدا کے حضور سربسجود اور اس کے کلام میں غوطہ زن ہونے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے۔

(۱۲) رمضان میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا اجر بہت بڑھا چڑھا کر عطا کرتا ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اور چھوٹی سے چھوٹی ہر نیکی کو اہتمام سے انجام دیں۔

(۱۳) اس کے علاوہ بھی بے شمار ایسی ترکیبیں ہیں جن سے ہم اپنی تربیت اور اپنا تزکیہ کرکے اپنے رب کو راضی کر سکتے ہیں اور اس سے قریب ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں تلاش کر کے ہمیں ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

آخر میں یہ بات ہمیں ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اتنا اہم مہینہ اور اس میں اتنے ذرائع سے اپنی نجات اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے مواقع ہمیں میسر ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر ہم اپنے رب کو راضی نہ کر سکیں تو ہم نے آخر کیا کیا؟ ایک طویل روایت کے مطابق رسول خداؐ نے ایسے شخص کے حال پر افسوس کا اظہار کیا کہ جو رمضان کا مہینہ پائے اور اپنی بخشش نہ کروا سکے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس رمضان میں اس کو راضی کرنے کی تمام کوششیں انجام دینے کی توفیق دے اور اس کے نتیجہ میں ہمیں اپنی رحمتوں، نعمتوں اور مغفرت سے نواز کر ہم سے راضی ہو اور ہمیں ان ابدی جنتوں کا مستحق قرار دے کہ جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں اور جن کے بارے میں اس نے اپنی کتاب میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خدا کرے کہ بروز قیامت فرشتے ہم سے کہیں کہ جاؤ اس جنت میں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ جو تمہیں بتائی گئی تھیں۔ اس سب سے بڑھ کر خدا ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہوں کہ جسے بروز حشر رسولؐ خدا اپنے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر عطا کریں گے۔ بطور نوجوان ایک اور سعادت کی ہمیں خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ جس روز کوئی سایہ نہ ہوگا اس روز وہ ہمیں اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے اور اس کے لئے ہماری اس زندگی میں ہمیں اس کے غلامی اختیار کرنے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کی حقیقی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

●●●

قیمتی ہار!!!!!!اس کی حفاظت کیجئے...

سمیہ بنت عامر خان

"لڑکی"۔۔۔اس لفظ کے معنی نادان، ناسمجھ جب اسی لفظ سے "ک" ہٹا دیا جائے تو لفظ "لڑی" بن جاتا ہے اور لڑی سے مراد ہار (necklace) یا مالا، جیسے کہ موتیوں کی مالا، ہیروں کا ہار نازک سا اور کتنا نایاب اور قیمتی ہوتا ہے نا، لیکن جب ایک بار یہی موتیوں کی لڑی اور ہیروں سے بھرا ہار ٹوٹ جائے تو لاکھ کوشش کرلو جڑ نہیں پاتا اور اگر اسے جوڑ بھی دیا جائے تو پہلے جیسا دلکش وحسین نہیں ہوتا اس میں کوئی نہ کوئی عیب رہ ہی جاتا ہے، کوئی نہ کوئی کمی باقی رہ ہی جاتی ہے، پہلے جیسا بیش بہا قیمتی اور نایاب و پر رونق نہیں رہتا۔

یہ جو لڑکیاں ہوتی ہیں یہ موتیوں کی مالا اور ہیروں کا ہار جیسی ہوتی ہیں۔ واقعی میں یہ لڑکیاں، جنہیں "صنف نازک" کہا جاتا ہے یہ ناسمجھ اور نادان ہوتی ہیں، معصوم طبیعت، کمزور دل، کمزور سخن ساز ہوتی ہیں۔ اس کے لہجے میں گلاب سی تازگی جو کسی بھی انسان کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں، آنکھوں میں معصومیت ہوتی ہے جو کسی بھی آنکھ کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ اس کی حرکت و چال میں متانت ہوتی ہے، سنجیدگی ہوتی ہے، صبر و تحمل پسندی ہوتی ہے۔

واقعی میں یہ لڑکیاں موتیوں اور ہیروں جیسی ہوتی ہیں۔ یہ موتیوں کی لڑیاں ایک بار بکھر جائے تو انہیں کتنا بھی پہلے جیسا خوبصورتی اور شادابی سے پرویا جائے نہیں پرو سکتے کیونکہ یہ پوری طرح سے ٹوٹ اور بکھر چکی ہوتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب کوئی لڑکی اپنا ضمیر، اپنی خودی، کھو چکے تو وہ اپنے آپ کو دوبارہ نہیں جوڑ سکتی۔ لڑکیوں کی خودی، ان کا ضمیر ہی ان کی لڑی اور ان کی موتیوں کی مالا ہوتا ہے، جب یہ مالا اور لڑی ناسمجھی، نادانی اور خواہشات کی بھینٹ چڑھا دی جائے تو وہ لڑکی ہیرا اور موتیوں کی لڑیوں جیسی نازک، متانت، صبر و تحمل والی نہیں رہ پاتی۔

اسلام نے بھی لڑکیوں کو ایک خاص مقام دیا۔ اسلام نے لڑکیوں کو ذلت اور غلامی کی زندگی سے آزاد کرایا اور ظلم و استحصال سے نجات دلائی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا خاتمہ کر دیا۔ جو لڑکی کے انسانی وقار کے منافی تھیں۔ نوزائیدہ بچی کو زندہ زمین میں دفن کئے جانے سے نجات ملی۔ یہ رسم نہ تھی بلکہ انسانیت کا قتل تھا۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں بیٹی کی پیدائش کو ذلت اور رسوائی کا سبب قرار دیا جاتا تھا۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۔

"اور جب لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا۔"

بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔

"کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی۔" (التکویر: ۹،۸)

اسلام نے بیٹی کو نہ صرف احترام و عزت کا مقام عطا کیا بلکہ اسے وراثت کا حقدار بھی ٹھہرایا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء: ۱۱)

"اللہ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم دیتا ہے، ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، پھر اگر دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ چھوڑے گئے مال میں سے ہے، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔"

سورہ شوریٰ آیت ۴۹ اور ۵۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ

الذُّکُوْرَ (۴۹)
اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ (۵۰)

''آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہے بیٹے دیتا ہے۔

یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک وہ خبردار قدرت والا ہے۔''

قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں اللہ کی نعمت ہیں۔ لڑکیوں کی پیدائش کو زمانہ جاہلیت میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ خود باپ اپنی بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا تھا مگر حضرت محمدؐ دنیا میں تشریف لائے تو اس طرح کی تمام ترسموں کا خاتمہ کر دیا اور لوگوں کو بتایا کہ بیٹی رحمت کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ کَانَتْ لَہٗ ثَلٰثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلٰثُ أَخَوَاتٍ أَوْ بِنْتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَھُنَّ وَاتَّقَی اللّٰہَ فِیھِنَّ فَلَھَا الْجَنَّۃُ.

''جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہا تو اس کو بدلے میں جنت ملے گی۔'' (ترمذی: ج ۲ ص ۱۳)

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ کَانَتْ لَہٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْھَا، وَلَمْ یُھِنْھَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَہٗ عَلَیْھَا - یَعْنِی الذُّکُوْرَ - اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ

''جس کے پاس لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ اس کی توہین کرے اور نہ برتاؤ میں لڑکے کو اس پر ترجیح دے یعنی دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔'' (مشکوٰۃ ص ۴۲۳، مسند احمد، ج ۱ ص: ۲۲۳)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ أَنَا وَھُوْ کَھَاتَیْنِ وَضَمَّ أَصَابِعَہٗ.

''جو شخص دو لڑکیوں کی ان کے بلوغ تک پرورش کرے تو قیامت کے دن میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملا دیا۔'' (مسلم ج ۲ ص ۳۳)

لڑکیاں دوزخ سے نجات کا ذریعہ۔۔۔۔۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ ھٰذِہِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَحَسَّنَ إِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ.

''جس شخص پر اللہ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو نبھایا) اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔''

اللہ رب العزت نے اس صنف نازک کی تعظیم و تکریم کے لئے انھیں مختلف روپ عطا کیا جس طرح موتی کے کئی روپ ہوتے ہیں جیسے کبھی وہ کسی بادشاہ کے سر کے تاج کا روپ لیتی ہے، تو کبھی رانی کے گلے کی مالا ہوتی ہے تو کبھی یہ نازک سی موتی تسبیح کے دانے ہوتی ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے اس صنف نازک کی تعظیم و تکریم کے لئے انھیں مختلف روپ عطا کئے ہیں جیسے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی۔ لڑکی ہر روپ میں انسان کے لئے نعمت و رحمت ہوتی ہے۔ اگر صنف نازک ماں کے روپ میں ہو تو جنت اس کے قدموں میں رکھ دی جاتی ہے۔ جب یہ بیٹی اور بہن کے روپ میں ہو تو والد اور بھائی کو جنت میں لے جانے کی باعث ہوتی ہے اور آپؐ کی رفاقت کا ذریعہ بنتی ہے۔

اسی طرح اگر بیوی ہو تو شوہر کا آدھا ایمان مکمل کرتی ہے۔

''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''جس شخص نے شادی کر لی اس نے آدھا ایمان پورا کر لیا لہٰذا اسے چاہئے کہ باقی آدھے میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔'' {شعب الایمان ۵۰۰۱، مستدرک الحاکم ۱۶۱/ ۲}

غرض یہ کہ اسلام نے لڑکی کو ہر حیثیت سے چاہے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہو انتہائی تکریم و اعزاز سے نوازا ہے۔ اسی لئے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکیوں کی تربیت پر خاص توجہ دیں تاکہ لڑکیاں والدین کے لئے سرمایہ جنت ہو۔

ان نازک کلیوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ ان کی راہوں میں کتنے ہی کانٹے، کتنے ہی دکھ غم اور کتنا ہی مشکل مرحلہ آ جائے یہ ان مشکل راہوں کا بآسانی مقابلہ کر سکے۔ ان کا ضمیر ان کی خودی اس طرح ہو جن سے ان کا حوصلہ بلند ہو، جن سے

ان کی صبح تازہ ہو، جن سے ان کی شامیں رنگین ہو یعنی ان قیمتی ہار (صنف نازک) کی قیمتی لڑیوں (ضمیر اور خودی) کی حفاظت کی جائے۔

اس صنف نازک کی تربیت اللہ اور محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر کی جائے تاکہ ان کی تربیت میں کمی نہ آئے اور یہ موتیوں کی طرح چمکتی رہے ان کا رنگ کبھی پھیکا نہ پڑے ان کی شخصیت میں نکھار آئے۔

نیک اولاد کسی بھی انسان کے لئے بیش بہا قیمتی سرمایہ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے گراں قدر عطیہ ہوتا ہے، اس لئے والدین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اسلام نے تربیت اولاد کے سلسلے میں جو زرّیں اصول وضوابط پیش کئے ہیں ان اصولوں وضوابط کے تحت اس صنف نازک کی تربیت کی جائے۔

والدین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جہاں اپنی بچیوں کی بہتر نشوونما کے لئے صحیح ومناسب دیکھ بھال پرورش کا سوچتے ہیں وہیں ان کو چاہئے کہ وہ بچیوں کی درست تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کریں، کیونکہ اگر آج ان نازک سی کلیوں کو پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کردیا جائے گا تو یقیناً آج کی یہ معصوم کلیاں مستقبل میں خوبصورت شخصیت کی رونق کو دوبالا کریں گی اور والدین کے لیے جنت کی ضامن ہوں گی، لیکن اگر والدین اپنے عیش وعشرت کی دنیا میں بدمست ہوکر ان کی تربیت کا معاملہ لاابالی پن کی نذر کردیں تو وہ لڑکی ہیرا اور موتیوں کی لڑیوں جیسی نازک، متانت، صبر وتحمل والی نہیں رہ پائے گی۔ اگر والدین چاہتے ہیں کہ ایک باعظمت اور روشن مستقبل کا حامل معاشرہ کی بنیاد رکھیں تو پھر والدین کو ان کی تعلیم وتربیت پر کافی توجہ دینا ہوگا۔

والدین کو لڑکیوں کی تربیت کے سلسلے میں آپؐ کا طرز عمل کس طرح تھا یہ دیکھنا چاہیے آپؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ۔ آپؐ اپنی چاروں بیٹیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت زینبؓ یہ آپؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپؐ ان کے متعلق اکثر فرماتے ”یہ میری سب سے افضل بیٹی ہے۔“ اسی طرح فاطمہؓ یہ آپؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور سب سے محبوب صاحبزادی تھیں۔

آج کے جدید دور کا مقابلہ ماضی سے کرلیا جائے تو واقعی حالات بہت تبدیل ہوگئے ہیں۔ آج لڑکیوں کو تعلیم دلانا نہایت ضروری ہے تاکہ معاشرے اور خاندان کی بہتر ترقی ہوسکے۔ یاد رکھیئے! ایک بیٹی اسی وقت رحمت ثابت ہوگی جب اس کا دل عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم سے مزین ہو یعنی وہ فاطمی کردار کی حامل ہو۔ بیٹی کی تربیت اس طرح کی جائے کہ اس کی شخصیت میں فاطمی کردار و پیکر نظر آئے۔ ایک لڑکی ایک اچھی بیوی تبھی ثابت ہوسکتی ہے جب اس کا دل خدیجہؓ کی سیرت وکردار سے سرشار ہو۔ تنگ وتاریک رستوں میں روشنی کی لو کی مانند اسی وقت جگمگاتی ہے جب اس کی گود بچے کے لئے پہلا اسلامی مدرسہ ہو۔ صنف نازک ایک بہن کی محبت کا سمندر اس وقت ثابت ہوسکتی ہے جب اس میں حضرت عائشہؓ کے جیسے جذبات موجود ہوں جب کہ آپؓ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد امت کے سامنے آئیں۔

تیری حیات ہے کردار رابعہ بصری
تیرے فسانے کا عنوان عصمت مریم
نہ دیکھ رشک سے تہذیب کی نمائش کو
کہ سارے پھول یہ کاغذ کے ہیں خدا کی قسم
وہی ہے راہ تیرے عزم وشوق کی منزل
جہاں ہوں عائشہ و فاطمہ کے نقش قدم

والدین کو چاہیے کہ ان نازک کلیوں کی گلستان حیات کو صحابیات کی حیات سے واقف کیا جائے تاکہ بچیوں میں بااختیاری اور باشعوری جیسی صلاحیتوں کا فروغ ہو۔ لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ خوبصورت کے بجائے خوب سیرت ہوں، اسے نیکی اور اخلاق جیسے قیمتی زیور سے آراستہ کیا جائے۔

تیری ہر چال سیدھی ہو
تیرا ہر ڈھنگ پیارا ہو
محبت تیرا مسلک ہو
اطاعت تیرا شیوہ ہو
کہ گھر بھر میں اجالا ہو
تیرے پیش نظر ہر دم
حیات پاک زہرا ہو

ایک لڑکی اسی وقت بااختیار شخصیت کی حامل ہوسکتی ہے جب اس کی تربیت بنا کسی فرق کے کی جائے۔ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے ساتھ یکساں رویہ رکھا جائے۔ کسی ایک سے زیادہ لاڈ و پیار کرنا جس سے دوسرے بچوں کو احساس کمتری محسوس ہو منع ہے۔ اسی طرح جب بچوں کو کسی قسم کا تحفہ دیا جائے تو برابری ضروری ہے۔ اسی طرح صنف نازک کی تربیت کے لیے ماں باپ کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ ان کی شخصیت میں نکھار آئے، لڑکی باشعور اور بااختیار ہو

اس کے لئے والدین کو چند خاص نکات پر توجہ دینا بے حد ضروری ہے۔

جیسے لڑکیوں کی مہارتوں اور صلاحیتوں کو بچپن ہی سے سراہا جائے اور انھیں آگے بڑھنے کی جانب مائل کیا جائے تاکہ انھیں ظاہری اور باطنی دونوں قسم کا اعتماد حاصل ہو۔ اسی طرح بعض گھرانوں میں اکثر یہ نظر آتا ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے الگ قوانین وضوابط ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ جیسے بچپن میں اگر بیٹے شرارت کرے تو انھیں ڈانٹا نہیں جاتا لیکن جب یہی شرارت لڑکیاں کریں تو انھیں روک ٹوک کی جاتی ہے۔ اگر والدین چاہتے ہیں کہ ان کی بچیاں بااختیار اور پراعتماد ہوں تو والدین کو چاہیے کہ عدل وانصاف کا معاملہ کریں۔

اسی طرح بچیوں کی تعلیم کا بھی خاص خیال رکھا جائے۔ تعلیم حاصل کرنا یہ بیٹے کے ساتھ بیٹی کا بھی بنیادی حق ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ''جب ایک لڑکا تعلیم حاصل کرے تو ایک فرد ترقی کرتا ہے لیکن جب ایک لڑکی تعلیم حاصل کرے تو پورا خاندان ترقی کرتا ہے۔''

تعلیم عورتوں کو دینی ضرور ہے
لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے

ایک پڑھی لکھی لڑکی ایک عام لڑکی کے مقابلے زیادہ پراعتماد اور باشعور ہوگی۔ اسلام میں بھی تعلیم نسواں کو اہمیت دی گئی ہے۔ کسی بھی قوم کو مجموعی طور پر دین سے روشناس کرانے، تہذیب وثقافت سے بہرہ ور کرنے میں اس قوم کی خواتین کا اہم کردار ہوتا ہے۔ بچیوں کو تعلیم دی جائے لیکن ملحوظ رہے کہ انھیں آزاد نہ چھوڑیں کہ وہ نوجوانی کے نشہ میں غلط راہ اختیار کرلیں جس پر پچھتاوا کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو، اور جس سے والدین اور بیٹی دونوں دنیا اور آخرت کی زندگی میں ناکام ہو جائیں۔ تعلیم حاصل کر کے لڑکی گھریلو زندگی اور خاندانی زندگی کو حقیر سمجھنے لگے تو ایسی تعلیم بے فائدہ ہے اس کے مقابلے اگر سماجی اور خاندانی تعمیر اور حالات کے لحاظ سے بہتر ہو تو حقیقت میں فائدہ مند ہوگی۔

تعلیم لڑکیوں کو ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہو صبا کی پری نہ ہو

ساتھ ہی لڑکیوں کو اچھی صفات سے مزین کیا جائے۔ تاکہ لڑکی اپنے مقصد وجود تک رسائی حاصل کرے اور ایک باکمال اور کامیاب شخصیت کی حامل ہو۔ انھیں مومنہ صفات سے روشناس کرایا جائے۔ یہ سب سے اہم خوبی ہے۔ انھیں تقویٰ اور پرہیزگاری سکھائی جائے۔ اس کے علاوہ نیک اور صالح بنایا جائے، یہ لڑکی کی سب سے بڑی خوبی ہے اس صفت کو حدیث میں اہم مقام دیا گیا۔ بلکہ رشتے کے لئے بھی اسی کو اولیت دی گئی۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا ، وَلِحَسَبِهَا ، وَجَمَالِهَا ، وَلِدِينِهَا ، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے اور تو دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کر، اگر ایسا نہ کرے تو تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی اخیر میں تجھ کو ندامت ہوگی)۔'' (صحیح بخاری 5090)

جس طرح موتیوں کی مالا میں خوبصورتی اور زیبائش کے لئے انھیں مختلف جواہرات سے مزین کیا جاتا ہے تاکہ وہ پرکشش ہو اسی طرح والدین کو چاہیے کہ وہ صنف نازک میں بااخلاق، اطاعت گزار فرمانبردار، گناہوں سے بچنا، اللہ سے ڈرنے والی، عبادت گزار، پردہ کا اہتمام کرنے والی، عفیف وپاکدامن، سیدھی سادی، حقوق وفرائض کو ادا کرنے والی، شیریں گفتار، نظروں کی حفاظت کرنے والی، جیسے جواہرات سے مزین کیا جائے جن سے ان کا حوصلہ بلند ہو، جن سے ان کی صبح تازہ ہو، جن سے ان کی شامیں رنگین ہوں یعنی ان قیمتی ہار (صنف نازک) کی قیمتی لڑیوں (ضمیر اور خودی) کو چار چاند لگے۔ جن سے ان کی شخصیت پراعتماد، باشعور اور بااختیار بنیں اور والدین کے لئے حصول جنت ہو۔

گر تم سراپا حیاء و ایمان ہو
گویا یاقوت زمرد مرجان ہو

●●●

(بقیہ صفحہ ۴۱ کا)

ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیثِ سوز وسازِ زندگی کہہ دے

معنی: حدیث: بیان، پیغام۔

تشریح: اے شاعر! چونکہ تم زندگی کے اصل راز سے واقف ہو چکے ہو، تو اس لئے یہ راز تمہیں مسلمانوں تک پہنچانا ہے اور انہیں کامیابی کی شاہراہ اور طریق کار واضح کرنا ہوگا جس پر چل کر ہمارے اسلاف عروج کی منزلوں پر فائز ہوئے۔

●●●

کارکن اور قیادت سے تحریک کے تقاضے

ابوالفیض اعظمی

خرم مرادؒ کا شمار عالم اسلام کے مشہور دانشوروں میں ہوتا ہے ۔آپ صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ یورپ و امریکہ میں بہت مقبول تھے ۔آپ کی تصانیف ہر خاص و عام کو فائدہ پہنچاتی رہی ہیں جس کی بہترین مثال ”چند تصویریں سیرت کے البم سے“ کے ذریعہ ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے ۔آپ نے استقبال رمضان، اللہ سے محبت، قرآن کا راستہ، قرب الٰہی کے چند عملی نمونے، تحریک اسلامی افکار ومسائل، تحریک اسلامی کے باہمی تعلقات اور لمحات وغیرہ جیسی چھوٹی بڑی کتابیں لکھ کر امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے۔

زیر نظر کتاب (کارکن اور قیادت سے تحریک کے تقاضے) تحریک اسلامی کے کارکن اور قیادت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے ۔ظاہر ہے جب کوئی تحریک یا تنظیم وجود میں آتی ہے تو اس کے کچھ اپنے اصول وضوابط ہوتے ہیں جن کی پاسداری تحریک یا تنظیم کے ہر رکن کے لیے لازمی ہوتی ہے ۔تحریک اسلامی کے بھی اپنے کچھ اصول و قواعد ہیں جو ہمیں قرآن و حدیث میں بتائے گئے ہیں جن کا عملی نمونہ خود جناب نبی کریمؐ اور آپ کے اصحاب کرامؓ ہیں ۔خرم مرادؒ صاحب نے انہی اصول و قواعد کو اختصار کے ساتھ عام فہم انداز میں اس کتاب میں بیان کیا ہے۔

کتاب ”تحریک: کیا اور کیوں؟“، راہ و منزل: جہاد و جنت، حکمت تنظیم: اہداف اور منصوبہ بندی، مؤثر قیادت: کیا اور کیسے؟، تربیت: اپنی اور دوسروں کی، باہمی تعلقات: تین بنیادی اصول، تزکیہ نفس: بنیادیں، تزکیہ نفس: طریقے، تعلق باللہ، ”تعلق باللہ: عملی تقاضے، دنیا اور آخرت“ انہی ابواب پر مشتمل ہے ۔خرام مرادؒ صاحب نے کتاب کے پہلے باب ”تحریک: کیا اور کیوں؟“ کے اندر تحریک سے مراد، تحریک: ایک نئی اصطلاح، حضرت ابراہیم ایک مثالی مسلمان، تحریک کی خصوصیات، تحریک اسلامی ہی کیوں وغیرہ موضوعات پر گفتگو کی ہے ۔چنانچہ ”تحریک: ایک نئی اصطلاح“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”انقلابی کا لفظ ایک جدید لفظ ہے ۔اس پر ماضی میں بھی بحث ہوتی رہی ہے اور اب پھر نئے سرے سے بحث شروع ہے کہ آیا یہ لفظ صحیح ہے یا غلط ۔لوگ چوں کہ ”انقلاب“ سے ”انقلاب فرانسیسی“ اور ”انقلاب روس“ ہی کو سامنے رکھتے ہیں، اس لیے اسی پیمانے پر ناپتے ہیں ۔لیکن جب ہم ”انقلاب“ کا لفظ بولتے ہیں تو ہمارے سامنے صرف یہ بات ہوتی ہے کہ یہ انسان کی پوری زندگی کی بنیادوں یعنی اس کا رخ، سمت، قبلہ اور اس کے پورے ڈھانچے کا پلٹ جانا ہے ۔اسی کے معنی محض کشت وخون یا خوں ریزی کے نہیں ہے ۔تاہم اگر اس کی ناگزیر ضرورت ہو تو وہ بھی ہوسکتی ہے ۔“(ص:۲۵)

تحریک کی خصوصیات کے تحت لکھتے ہیں:

”اسی لیے انبیاءؑ کی دعوت کا جہاں ایک جزیہ رہا ہے کہ صرف اللہ کی بندگی اختیار کرو اور صرف میری اطاعت کرو، وہاں دوسرا جزء ہمیشہ معاشرے کے بنیادی مسائل سے متعلق رہا۔ اگر بنی اسرائیل تھے تو سیاسی آزادی کا مطالبہ کیا۔ اگر قوم عاد تھی تو اس کی جہاں گیری کے خلاف آواز اٹھائی۔ اگر قوم نوح تھی تو اس کی طبقاتی کشمکش کے خلاف پکار بلند کی گئی اور اگر قوم لوط تھی تو اخلاقی اباحیت کے خلاف دعوت دی گئی، گویا ہر دعوت معاشرے کے زندہ مسائل اور دلچسپیوں سے متعلق تھی۔“(ص:۳۰،۳۱)

دوسرے باب میں ”صحابہ کرامؓ کا عمل، اللہ کی رضا اور جنت، جنت اور جہاد کا تعلق، عروج کا راستہ“ وغیرہ موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔دوسرے

باب میں ”عروج کا راستہ“ کے ذیل میں صاحب کتاب لکھتے ہیں:

”جو امتیں اور قومیں جہاد کی زندگی گزارنے اور جدوجہد کرنے کے لیے تیار ہوں، اس کے لیے گھروں سے نکلنے اور قربانی دینے کے لیے تیار ہوں، وہی قومیں دنیا کے اندر غلبہ حاصل کرتی ہیں۔ وہ قومیں جو اس بات کے لیے راضی ہوجائیں کہ وہ جانوروں کی طرح جنگل میں جگالی کرتی رہیں اور گھاس پھوس کھاتی رہیں وہ قومیں دنیا کے اندر شیر کا تر نوالہ بن جاتی ہیں جس طرح کہ مسلمان تر نوالہ بن گئے۔“ (ص ۶۲)

تیسرے باب حکمت تنظیم، منصوبہ بندی اور قابل توجہ امور، وقت کی قدر، اجتہاد وغیرہ عناوین کے تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔ وقت کی قدر کے سلسلے میں صاحب کتاب لکھتے ہیں:

”تنظیم کو سب سے بڑھ کر یہ فکر کرنی چاہیے کہ اس کے اجتماعی وقت کا استعمال کس طرح ہو رہا ہے۔ ایک آڈیٹر بڑی محنت سے یہ دیکھتا ہے کہ بیت المال میں پیسہ کہاں سے آیا اور کہاں گیا۔ آپ کو ایسے آڈیٹر کی ضرورت ہے جو یہ دیکھے کہ وقت کیسے آیا اور کہاں گیا...... مجھے حیرت ہوتی ہے جب کوئی تنظیم جس کو انقلاب لانا ہو وہ ۶۰ شرکاء کے اجلاس میں ایک گھنٹہ اس بحث پر صرف کرتی ہے یعنی ۶۰ گھنٹے لگاتی ہے کہ رپورٹ اکتوبر تک کی ہے، منصوبہ جنوری سے ہے تو آخر ہم حساب کیسے کریں؟“ (ص: ۸۵)

چوتھا باب ”موثر قیادت کیا اور کیسے؟“ کے عنوان سے ہے جس کے اندر احساس ذمہ داری، اللہ کی تائید پر بھروسہ، اعلیٰ مقاصد پر نظر، ترجیحات کا تعین، دین کا فہم وغیرہ موضوعات پر صاحب کتاب نے اظہار خیال کیا ہے۔ احساس ذمہ داری کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”اگرچہ یہ اسلامی ریاست کے عہدوں سے متعلق ہے، تاہم جو آدمی کسی مقام پر یا کسی یونٹ میں دعوت کے کام کا تحریک کو پھیلانے کے کام کا ذمہ دار ہو، اس کے دل و دماغ پر یہ احساس طاری رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے سوال کرسکتا ہے۔ اگر میں کسی حلقے کا ذمہ دار ہوں، کسی شہر کا ذمہ دار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ان کے بارے میں سوال کرسکتا ہے۔ صرف یہ احساس اپنی جگہ بہت ساری خوبیاں پیدا کرنے اور ذمہ داریوں کو احسن انداز میں ادا کرنے کی کلید ہے۔“ (ص: ۹۳)

پانچواں اور چھٹا باب تربیت کے متعلق ہے۔ ”اپنی تربیت آپ، تنظیم و ذمہ داران کا دائرہ کار، تربیت: سیکھنے اور عمل کرنے کا نام، تربیت کا عمل زندگی کا حصہ، تربیتی امور اور تنظیمی ماحول میں مطابقت، تربیت ایک طویل اور مسلسل عمل“ وغیرہ موضوعات کے متعلق بات کی گئی ہے۔ اسی باب میں ”تربیت کا عمل زندگی کا حصہ ہے“ اس کے بارے میں خرم مرادؒ لکھتے ہیں:

”ہر کام نیت اور اللہ کی یاد سے تربیت کا ذریعہ بن سکتا ہے، لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سیاسی کام زیادہ ہو رہا ہے اور دینی کام کم، یہ تربیت کا صحیح تصور نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ مجھے اس حوالے سے اطمینان ہے۔ مولانا مودودیؒ کے اس جملے نے میرے دل و دماغ پر یہ حقیقت بالکل واضح کردی ہے کہ بڑے سے بڑا کام دنیوی کام ہو اور اللہ کے ذکر سے معمور ہو تو وہ دینی کام ہے۔ نماز اگر اللہ کے ذکر سے خالی ہو، دکھاوے کے لیے ہو تو یہ دنیاوی کام ہے۔ نعرے لگانا، پوسٹر لگانا اور تلوار اٹھانا اگر اللہ کے ذکر سے معمور ہو، اللہ کی رضا کے لیے ہو تو یہ ایک خالص دینی کام ہے۔“ (ص: ۱۲۹۔ ۱۳۰)

ساتواں باب باہمی تعلقات کے بارے میں ہے ”جس میں رحمت و شفقت، عفو و درگزر، قدرو قیمت کا احساس، صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور کام لینا، احتساب کا عمل، تربیت کی عملی تدابیر“ وغیرہ کے تحت بحث کی گئی ہے۔ ”رحمت و شفقت، عفو و درگزر“ کے تعلق سے مصنف صاحب لکھتے ہیں:

”اگر اللہ کے رسولؐ تندخو اور سنگ دل ہوتے تو قرآن کی دعوت اپنی جگہ پر رہتی، اس کا حسن اور اثر انگیزی اپنی جگہ پر ہوتے لیکن بھیڑ چھٹ جاتی، لوگ جمع نہ ہوتے، لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے والی اور ان کو چمٹائے رکھنی والی چیز قرآن کی دعوت سے زیادہ داعی کی رحمت، شفقت اور حسن سلوک تھا۔ اسی نے جماعت کو جمع کیا اور قربانیوں پر آمادہ کیا۔“ (ص: ۱۳۳)

اسی باب میں ”صلاحیتوں کے مطابق کام لینے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”حضورؐ کی روش یہ تھی کہ جو مطالبات حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے تھے وہ ایک عام بدو سے نہیں تھے۔ ایک بدو نے آکر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پانچ وقت کی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اس نے کہا: میں اس میں کمی نہیں کروں گا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا جسے جنتی کو دیکھنا ہے وہ اس کو دیکھ لے۔ ایک اور آدمی آیا اس نے کہا مجھے قرآن پڑھنا سکھائیے

آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ انہیں قرآن پڑھائیے۔انھوں نے سورۃ الزلزال کی تعلیم دی۔ اس نے کہا بس بس میرے لیے یہ کافی ہے۔ میں اس کے اوپر عمل کروں گا۔آپؐ نے فرمایا کہ جسے جنتی کو دیکھنا ہے وہ اسے دیکھ لے۔یہ معاملات سب ایک جیسے نہیں تھے۔مختلف لوگوں سے مختلف بیعت لی جاتی تھی۔"(ص:۱۴۴۔۱۴۵)

آٹھواں اور نواں باب تزکیہ نفس کے تعلق سے ہے۔آٹھویں باب میں تزکیہ نفس کی بنیاد سے بحث کی گئی ہے۔مثال کے طور پر تزکیہ و دعوت کی بنیادیں،تزکیہ نفس کا مرکز قلب،ارادہ و عزم،احسان کی کیفیت،احساس ذمہ داری وغیرہ۔ نویں باب میں تزکیہ نفس کے طریقے مثلاً اللہ کا ذکر،ذکر کی اہمیت،ذکر کے طریقے،کلمات ذکر کا اہتمام،نماز،موت کو یاد رکھنا،تلاوت قرآن،اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔آٹھویں باب میں ایک جگہ سوال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تحریکوں اور جماعتوں کے اندر عام طور پر یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ جب وہ اپنا کام شروع کرتی ہیں تو ان کا زور بنیادی چیزوں پر ہوتا ہے۔ جب آہستہ آہستہ وقت گزرتا چلا جاتا ہے تو بنیادی چیزیں زبان پر تو رہ جاتی ہیں لیکن فروعیات اور جزئیات کا اہتمام بڑھتا جاتا ہے۔فروعیات اور جزئیات ضروری ہیں لیکن اصل توجہ کوشش اور سعی ہمیشہ اس چیز پر مرکوز ہونی چاہیے جو انسان کی پوری شخصیت کا مرکز ہے یعنی دل۔"(ص:۱۶۰)

نویں باب میں موت کو یاد رکھنے کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"آپ بھی تجربہ کر کے دیکھیے،آپ کو محسوس ہوگا کہ جب تک آدمی موت کو یاد رکھے،قرآن پڑھتا رہے تو وہ سیدھے راستے پر رہتا ہے۔گناہ اور غلطیوں سے کسی آدمی کو مفر نہیں،لیکن قرآن پڑھنے والا اور موت کو یاد رکھنے والا تو جنت اور دوزخ کا ذکر پڑھنے پر نادم ہو کر لوٹ آئے گا اور اپنی غلطیوں پر معافی مانگے۔"(ص:۱۹۱)

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"درحقیقت اللہ کے یہاں مقدار سے زیادہ یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ آدمی اس کے لیے کتنی قربانی دے رہا ہے۔غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرامؓ رات بھر مزدوری کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔اگرچہ وہ چند درہم ہوتے تھے مگر ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔اللہ نے ان کا بڑا اعتراف فرمایا تھا۔بہت سے لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں بھی دیں،ان میں بہت سے منافق سردار بھی تھے،مگر ان کی تعریف نہیں کی گئی۔"(ص:۱۹۵۔۱۹۶)

دسواں اور گیارہواں باب تعلق باللہ اور تعلق باللہ کے عملی تقاضے سے تعلق رکھتا ہے۔تعلق باللہ کے ذیل میں رب کی معرفت،رحمت و ربوبیت،اللہ کی کبریائی،تعلق باللہ کی نوعیت،شکر و استغفار وغیرہ سے ہے۔تعلق باللہ کے تعلق سے صاحب کتاب لکھتے ہیں:

"یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ ہم دنیا بھر کو اللہ کی طرف بلائیں اور خود اس بات کی فکر نہ کریں کہ ہمارے دل کا تعلق خود اس کے ساتھ کیا ہے؟ ہم کہیں کہ ہم حکومت الٰہیہ قائم کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ خود ہمارے نفس اور ہمارے اندر کی دنیا پر اس کی حکومت قائم نہ ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک ہمارے نفس پر حکومت الٰہیہ قائم نہ ہو اس وقت تک ہم لوگوں کو اللہ کی طرف نہ بلائیں۔ لیکن جتنی فکر اس بات کی ہو کہ حکومت الٰہیہ قائم ہو، اللہ کا قانون نافذ ہو،اتنی فکر اس بات کی بھی ہو کہ اس کی حکومت ہمارے اوپر بھی قائم ہو اور وہی ہمارے اندر کی دنیا پر حکمرانی کرے۔"(ص:۲۰۰)

گیارہواں باب اخلاص،اللہ پر بھروسہ،دعا اور اطاعت و فرمانبرداری سے متعلق ہے۔اس باب میں صاحب کتاب ایک جگہ توکل کے بارے میں لکھتے ہیں:

"توکل کے حوالے سے ایک خاص پہلو راہ حق میں کام کرنے والوں کے لیے سمجھنا اور جاننا ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ راہ حق میں کام کرتے ہوئے جب وہ مقامات آتے ہیں جہاں حکمت عملی یا تدبیر سے فیصلے کرنا ہوتے ہیں،وہاں توکل بڑی ضروری شرط اور صفت ہے۔(ص:۲۳۴)

کتاب کا آخری باب دنیا اور آخرت کے بارے میں ہے۔اس میں آخرت پر یقین بنیادی تقاضے،آخرت باقی رہنے والی ہے،دنیا کی حیثیت وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔مصنف دنیا کی محبت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

دنیا کی محبت اور اس پر راضی ہو جانا اور اسی کو مقصود بنانا یہ ایک ایسی بیماری ہے جو اللہ کی خاطر حق کی راہ میں چلنے کے ہر ارادے اور کوشش کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔اسی لیے اللہ نے جب بگڑی ہوئی مسلمان امتوں کو اپنی طرف بلایا تو اس میں اس بات کو بنیادی اہمیت دی کہ ہر وہ چیز جس سے آخرت میں اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس کمزور ہوتا ہو جس سے

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

کھیل کود اور صحت

مرزا اسلم بیگ

کھیل صحت مند زندگی کے حصول کیلئے نہایت ضروری ہے ۔'کھیل' یعنی کوئی بھی ایسا کام جو ہماری ذہنی اور جسمانی نشونما میں اہم کردار ادا کرے ۔کھیل صرف تفریح کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ جسم کو چاق و چوبند اور صحت مند بنانے کا بھی ذریعہ ہے ۔کھیلنے سے دماغ تر وتازہ ہوتا ہے اور ایسی قائدانہ صلاحیتوں کو اُبھارتا ہے جو کوئی اور چیز نہیں اُبھار سکتی ۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے "A sound body has a sound mind" اگر کھیل نہ ہو تو ہمارا جسم بالکل لاغر و کمزور ہو جاتا ہے، بہت سی بیماریاں اس کو گھیر لیتی ہیں اور وہ جلد بڑھاپے کی طرف بڑھنا شروع کر دیتا ہے، اور اس کی خود اعتمادی لڑکھڑانے لگتی ہے ۔کھیل خواہ کسی بھی قسم کے ہوں Indoor یا Outdoor، ہر طرح سے انسانی نشونما پر اثر ڈالتے ہیں ۔ جیسا کہ Indoor کھیل جسمیں مختلف کھیل شامل ہیں ۔ جس سے دماغی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی قابلیت بھی اُبھرتی ہے ۔Outdoor کھیل، جس میں کرکٹ، فٹ بال، باسکٹ بال، والی بال، مختلف قسم کی دوڑیں، ٹینس اور بیڈمنٹن وغیرہ سرِ فہرست ہیں، جو ہمارے جسم کو چُست، لچکدار اور پھرتیلا بناتے ہیں ۔جو بچہ فزیکل فٹنس کے اصول سے واقف ہو تو وہ خود کو ہر کھیل کے مطابق ڈھال سکتا ہے، اور اس سے اس کی انفرادی اور اجتماعی طور پر کام کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے ۔

کھیل کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے تعلیمی اداروں نے بھی اس میدان میں قدم رکھ دیا ہے ۔ اسی لیے اب اسکول میں جب بچہ پہلا قدم رکھتا ہے تو اسے تعلیم کے ساتھ ہی کھیل کی طرف بھی متوجہ کرایا جاتا ہے جسے اسکول لیول پر غیر نصابی سرگرمیاں (Co-Curricular Activities) کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے تاکہ بچہ شروع سے ہی چُست اور توانا ہو اور تعلیم پر بھی خوشی سے توجہ دے ۔جبکہ کالج اور یونیورسٹی لیول پر اسے باقاعدہ ایک مضمون فزیکل ایجوکیشن (Physical Education) کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے، جس میں کھیل میں دلچسپی لینے والے طلباء داخلہ لے کر اس شعبے میں اپنا مقام بنا سکتے ہیں، اور یہ ہر طرح کے بچوں کا استقبال کرتا ہے یعنی اسپیشل بچوں کو بھی آگے بڑھنے کا بھرپور موقع دیتا ہے ۔اور ان کھیلوں سے متعلق تعلیمی اداراں میں مختلف قسم کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، جن میں کئی قسم کے کھیلوں کے مقابلے کروائے جاتے ہیں اور پھر اس میں پوزیشن حاصل کرنے والوں میں سند، انعامات اور ٹرافی تقسیم کی جاتی ہے ۔

مگر افسوس! آج بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ کھیل صرف وقت کا ضیاع ہے یا پھر فارغ وقت گزارنے کا ذریعہ ۔ یہ لوگ بچوں کو صرف تعلیم پر زور دینے کیلئے مجبور کرتے ہیں کیونکہ شاید یہ لوگ کھیلوں کی اہمیت اور ان کے بے شمار فوائد سے انجان ہیں جبکہ کھیل انسان کی شخصیت کو سنوارنے میں بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ کھیل کود سے انسان میں فرماں برداری، تحمل مزاجی، صبر، انتظام اور قوت برداشت بڑھتی ہے ۔ انسان اتفاقِ رائے سے کام کرنا اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا سیکھ جاتا ہے، اور اس میں دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرکے اسے شکست دینے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ۔ہر کھیل کے اپنے قواعد وضوابط ہوتے ہیں جو کہ کھلاڑی کو نظم وضبط کا

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

شارح: شبیر خالد

طلوعِ اسلام

❄❄❄❄❄*❄❄❄❄❄

(1)
سرشکِ چشمِ مُسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہؑ کے دریا میں ہوں گے پھر گُہر پیدا

معنی: سرشک: آنسو۔ نیساں: بارش، بارش کا وہ قطرہ جس سے سیپ کے اندر موتی بنتا ہے۔ خلیل اللہ: اللہ کا دوست، ابراہیم علیہ السلام کا لقب۔ گہر: موتی۔

تشریح: علامہ کہتے ہیں کہ جس طرح قطرۂ نیساں میں موتی کی تخلیق کی تاثیر موجود ہوتی ہے اسی طرح مسلمانوں کی دعاؤں میں گرنے والے آنسوؤں میں بھی اتنی قوتِ تاثیر ہے کہ اسلام کے ایک نئے دور آغاز ہوسکتا ہے، مسلمانوں کو وہ حکومت اور شان وشوکت مل سکتی ہے جو کبھی ان کے اسلاف کو حاصل تھی۔

(3)
ربود آں تُرکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بُوئے گُل سے اپنا ہمسفر پیدا

معنی: صبا: مشرقی ہوا، صبح کی ہوا۔

تشریح: ترکوں کو جو عظمت وشوکت حاصل تھی وہ اب افغانستان، ایران اور دنیائے اسلام کو ملنے والی ہے۔ جس طرح صبا پھول کی خوشبو کو ماحول میں بکھیر دیتی ہے، اسی طرح مسلم بیداری تمام دنیائے اسلام میں پھیل رہی ہے اور انقلابِ اسلامی کی راہ ہموار کر رہی ہے۔

(5)
جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خُوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

معنی: جہاں بانی: حکومت۔ جہاں بینی: دنیا کا مشاہدہ کرنا۔ دیدہ ور: آنکھیں رکھنے والا۔

تشریح: علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دنیا پر حکومت کرنا بڑی بات نہیں ہے بلکہ دنیا میں بناؤ بگاڑ اور عروج وزوال کے فلسفے اور حکمت کو سمجھنا اہم ہے۔ لیکن یہ فہم و فراست آسانی سے حاصل نہیں ہوتی، اس کے لئے مجاہدے اور مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ نرگس کا پھول اپنی بدصورتی اور بے نوری پر سالوں تک آنسو بہاتا رہتا ہے تب کہیں جا کر نرگس کو انسانی آنکھوں جیسی خوبصورتی اور حسن عطا ہوتا ہے۔ حکمت و بصیرت بھی ایسی ہی نایاب چیز ہے۔

(2)
کتابِ مِلّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

معنی: ملتِ بیضا: کنایتاً مسلمان قوم۔ شیرازہ: کتاب کے اوراق کو جوڑنے والا دھاگہ، مراد اتحاد کی علامت۔ برگ و بر: پھول اور پتے۔

تشریح: جس طرح کتاب کے اوراق کو شیرازہ میں جوڑا جاتا ہے ویسے ہی نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد نے بھی مسلمانوں کو ایک شیرازہ میں متحد کر دیا ہے، اور یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ امتِ محمدیہؐ ایک بار پھر ترقی کے عروج پر پہنچے گی اور دنیا میں اسلام کا نظامِ عدل قائم ہوگا۔

(4)
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹُوٹا تو کیا غم ہے
کہ خُونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحَر پیدا

معنی: صد ہزار: سو ہزار، مراد لاتعداد، انگنت۔

تشریح: علامہ کہہ رہے ہیں کہ اگر چہ خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے اور عثمانیوں کو ملک بدر کر دیا گیا ہے، لیکن مسلمانوں کو دل شکستہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ ایک نئے دور کے آغاز کی علامت ہے۔ جس طرح فلک پہ موجود لاکھوں ستاروں کی خاتمے کے بعد ہی صبحِ نو آتی ہے، اسی طرح عثمانیوں کے زوال کے بعد اسلام کی نئی تاریخ کا آغاز ہوگا۔

(6)
نوا پیرا ہو اے بُلبل کہ ہو تیرے ترنّم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

معنی: پیرا: نغمہ سرائی کرنا، نغمہ کی محفل سجانا۔ شاہین: ایک شکاری پرندہ جو اکثر اپنے سے بڑے پرندوں اور جانوروں کو مار لیتا ہے۔

تشریح: اے اقبال! امت ایک عرصۂ دراز سے بے عملی اور جمود کا شکار رہی ہے، اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تُم اپنے نغموں سے امت محمدیہ صلعم میں اتنا جوشِ ایمانی وعزم پیدا کر دو کہ یہ کمزور نظر آنے والے لوگ حالات کے نشیب و فراز میں ثابت قدم رہ سکیں اور باطل کی یلغار کا مقابلہ کر سکیں۔

مٹ جائے گناہوں کا تصور ہی جہاں سے اقبال
اگر ہو جائے ”یقین“ کہ ”اللہ“ دیکھ رہا ہے

●●●

کرناٹک حجاب معاملہ کی گراؤنڈ رپورٹ

پچھلے کچھ دنوں سے کرناٹک میں چل رہے حجاب تنازع کو لے کر اسلامک یوتھ فیڈریشن کے ایک وفد نے کرناٹک کا دورہ کیا جس میں کرناٹک کے اُڈپی شہر کے ملّی قائدین سے ملاقاتیں کی گئیں اور شہر کے عام طلبا و نوجوانوں سے بھی ملاقاتیں کی گئیں۔ حجاب کا یہ مسئلہ اُڈپی کے گورنمنٹ PU (Pre University) کالج سے شروع ہوا تھا جہاں کے پرنسپل رُدرگوڑا نے مسلم طالبات پر کالج میں حجاب پہننے پر پابندی عائد کی۔ درحقیقت اس مسئلے کی شروعات اکتوبر ۲۰۲۱ء سے ہوئی۔ آر ایس ایس کی طلبہ تنظیم ABVP نے اُڈپی میں ایک احتجاج کا انعقاد کیا تھا۔ اس احتجاج کے متعلق یہ بات کہی گئی تھی کہ یہ احتجاج کالج کی جانب سے کیا جارہا ہے جس میں تمام طالبات کو شرکت کرنا ضروری ہے۔ اس احتجاج میں ان مسلم طالبات کی بھی شرکت کرائی گئی اور ان کے ہاتھوں میں بینرس اور پلے کارڈ دیے گئے جن کی تصاویر سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی۔ اس کی اطلاع جب دیگر مسلم طلبہ و طالبات کو ملی تو ان طلبہ و طالبات نے اس احتجاج میں شامل ہونے والی طالبات کو آر ایس ایس اور ABVP کی حقیقت سے آگاہ کیا جس کا انھیں علم نہیں تھا۔ اس کے بعد ان طالبات نے ABVP کے پروگرام میں شرکت کرنے سے منع کیا تو پروفیسر پرکاش شیٹی اور پروفیسر گنگا دھر نے ان طالبات کو ہراساں کرنا شروع کردیا۔

ان طالبات کو اردو بولنے سے روکا گیا پھر سلام کرنے سے بھی منع کیا گیا اور یہاں تک کہ ان طالبات کے حجاب تک کھینچے گئے۔ اسی طرح مختلف مواقع سے طالبات کو ہراساں کرنے کی کوشش کی گئی اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ان طالبات کو کلاس سے یہ کہہ کر نکال دیا گیا کہ کلاس میں حجاب پہن کر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ جس کے بعد ان طالبات نے اپنا احتجاج شروع کیا جو تقریباً بیس روز تک چلا۔ اس دوران طالبات کے والدین اور کالج کی انتظامیہ کے دوران میٹنگیں بھی ہوئیں لیکن اس کے باوجود بھی انتظامیہ نے حجاب پہننے کی اجازت نہیں دی۔ اس معاملے کو لے کر طالبات DDPI (Deputy Director of Public Instruction) اور Minority Department کے پاس بھی گئیں اور اپنی شکایات درج کرائیں۔ DDPI نے پرنسپل رُدرگوڑا کو حکم دیا کہ وہ طالبات کو کلاس میں حجاب کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دیں لیکن رُدرگوڑا نے انھیں کلاس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جس کے چلتے طالبات نے دوبارہ DDPI سے رجوع کیا لیکن DDPI پر پرنسپل اور شہر کے MLA گھوپتی بھٹ کی جانب سے دباؤ ڈالا گیا جس کی وجہ سے DDPI نے بھی طالبات کو اجازت نہیں دی اور طالبات کو کالج کے باہر روک دیا گیا اور میڈیا کو بلا کر اس معاملہ کو مزید طول دیا گیا اور جب یہ معاملہ مزید طول پکڑنے لگا تو اُڈپی شہر کے مسلم قائدین اور تمام تنظیموں کا متحدہ پلیٹ فارم اُڈپی ضلع مسلم وکوٹا نے MLA اور کالج انتظامیہ کے ساتھ میٹنگ کی اور مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن MLA گھوپتی بھٹ اور کالج انتظامیہ نے مسئلہ کو حل کرنے سے انکار کردیا اور MLA گھوپتی بھٹ نے یہ بات کہی کہ اگر آپ کی بچیاں حجاب پہن کر کالج آئیں گی تو ہمارے لڑکے لڑکیاں بھی بھگوا رومال پہن کر کالج آئیں گی۔ اس کے بعد یہ معاملہ مزید طول پکڑتا گیا۔ تب وکوٹا نے یہ فیصلہ کیا کہ اس معاملے کو عدالت کے ذریعے سے حل کروایا جائے گا۔ عدالت میں جانے سے قبل جب طالبات سے پوچھا گیا کہ اگر ہم عدالت میں کیس ہار جاتے ہیں تو آگے آپ کا کیا معاملہ رہے گا؟ تو طالبات نے جواب دیا کہ اگر عدالت ہمارے خلاف کوئی فیصلہ دیتی ہے یا حکومت حجاب کے خلاف کوئی قانون بناتی ہے تب بھی ہم اپنے حجاب سے دستبردار نہیں ہوں گی اور اس کے لئے ہم ہر طرح کی قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔

●●●

لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

کاروان عقاب یک روزہ تربیتی پرگرام، جلگاؤں، مہاراشٹر

پروگرام بعنوان جوانی رہے تیری بے داغ، بھساول، مہاراشٹر

پروگرام بضمن حیاء ڈے، برہان پور، مدھیہ پردیش

سیرت النبی کوئز کمپٹیشن، بنگال

ضلعی کاروان عقاب کھیل مقابلہ، مرشد آباد، بنگال

خطاب عام بضمن حجاب، گرلز ونگ آکولہ، مہاراشٹر

ماہانہ تربیتی اجتماع، پوسد، مہاراشٹر

کیئریر گائیڈینس پروگرام، سرسید انٹر کالج بیناپارہ، اعظم گڑھ یوپی

کاروان عقاب پکنک پروگرام، چترپور، جھارکھنڈ

کاروان عقاب یک روزہ تربیتی پرگرام، آکوٹ، مہاراشٹر

ماہانہ تربیتی اجتماع، مہاراشٹر، ہنگن گھاٹ

ماہانہ تربیتی اجتماع، امراوتی، مہاراشٹر

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No: G/Akl Dn/258/2022-24

Order Now
CALL: 9599693655

گائیڈنس پبلیشرز کی اہم مطبوعات

gpdelhi2018@gmail.com

1st Floor, Opp Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola,444001
0724-2434333
nukusherah@gmail.com